

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تذکرہ سادات پیرنباک

کنج عزت ز گنج شاہی بہ
شکر دائم زہ گاہ گاہی بہ
یک دمے یاد او با گاہی
ز افسر و تاج شاہی بہ

(صوبہ بلخ کا بل) خان دوران کو حکم دیا کہ نوشہرہ اور اکوڑہ کا درمیانی علاقہ آنحضرت کو بطور نذرانہ دیا جائے۔ آنحضرت مال و دولت دنیا سے اتنے بے نیاز تھے کہ انہوں نے اتنی بڑی جاگیر کا مالک ہونے کے باوجود یہاں دفن ہونا تک گوارا نہ کیا لیکن یاد خداوندی کے لئے صرف ایک خانہ خلاء تعمیر کیا جو آج بھی ”بابا جی کی مسجد“ کے نام سے مشہور ہے۔

یہ تھے خاندان نبوت کے گل سرسید، ایک بزرگ اور ممتاز شخصیت، متوکل عابد اور زاہد مرد، شیخ المشائخ، قطب الاقطاب، عمدة الصالحین، زبدۃ العارفین، قدوة السالکین، ناصر الملک والدرین، پیر طہارت و شریعت حضرت پیر بابک۔
رحمۃ اللہ علیہ۔

اسم گرامی :- آپ کا اسم گرامی سید محمود یا محمود شاہ تھا۔ پیر بابک کے نام سے مشہور و معروف تھے اور ناصر الدین ان کا لقب تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کو پیر بابک کیوں کہا جاتا ہے؟ اب تک اس کی درج ذیل توجیہات سامنے آچکی ہیں :-

I - ”سباک“ عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں گھیلانے والا (ملاحظہ ہو عربی لغت یا سٹینکاس کی ڈکشنری) اب اس کی دو ہی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ یا تو وہ سباکی کا کام کرتے تھے یا کسی کرامت کے ظہور کی وجہ سے اس نام سے معروف ہوئے اب تک ہم اس بارے میں کچھ یقین سے نہیں کہہ سکتے۔

II - حضرت کا کا صاحب کو سبق پڑھانے کی وجہ سے ”پیر سبق“ مشہور ہوئے اور سباک ”سبق“ ہی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اب اس توجیہ کے بارے میں میرے

نور الدین محمد جہانگیر کا دور حکومت تھا۔ ہندوستان میں ہر طرف عدل و انصاف کا دور دورہ تھا۔ بادشاہ اپنے مصاحبین کے ساتھ کابل کی سیر کے لئے جا رہے تھے اور بیلے کابل میں کشتی رانی کے دوران انہوں نے دیکھا کہ دریا کے کنارے دو چھوٹے لڑیاں گھاس پھوس اور کڑھی کے ٹکڑوں کی بنی ہوئی ہیں۔ علاقہ ویران تھا۔ دور دور تک آبادی نہ تھی۔ ولہ زاک قبیلے کے یہاں سے نکالے جانے کے بعد اس ویرانے میں آبادی بادشاہ کے لئے باعث حیرت تھی۔ خدام سے پوچھا کہ ”یہ متوکل علی اللہ لوگ کون ہیں جنہوں نے آبادی کی بجائے ویرانے میں رہنا پسند کیا ہے؟ عرض کیا۔ ”حضور! ایک سید ہے۔ نیکی اور پرہیزگاری کے پوشاک سے مزین ہے۔ رات دن عبادت و ریاضت میں مشغول رہتا ہے۔ نہایت متوکل اور صاحب بزرگ ہے۔“ بادشاہ نے خدام سے کہا۔ ”اس فقیر کو میرے پاس لاؤ۔“ ملازم آنحضرت کے پاس گئے اور انہیں بادشاہ کی درخواست سے مطلع کیا مگر انہوں نے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا اور کہا۔ ”میں فقیر آدمی ہوں میرا بادشاہوں سے کیا کام؟“ بادشاہ کے مصاحبین ہر قسم کی مت سماجت پر اتر آئے۔ آخر آنحضرت کو اولی الامر کے پاس جانے کے لئے راضی کر لیا۔ عادل و منصف بادشاہ نے عقیدت و احترام سے انہیں بٹھایا۔ پند و نصح سنتے کے بعد بادشاہ نے ان سے دعا مانگی۔ آنحضرت نے بادشاہ وقت کے حق میں دعا کی اور رخصت ہو گئے۔ شہنشاہ جہانگیر نے اپنے ہفت ہزاری منسوب دار

خیالات درج ذیل ہیں :-

(i) سابق زمانہ حال کی ایجاد ہے۔ سب قدیم تحریروں میں یہ لفظ ”سباک“ لکھا ہوا ہے۔ اعلیٰ مفتی صاحب یاح الدین پہلے شخص میں جنہوں نے اپنی تالیف میں ”سباک“ کو ”سباق“ لکھا۔ اب جرنیلی رشک کے کنارے گاؤں کے نام کی تختی پر بھی ”سیرسباق“ لکھا ہوا ہے۔

(ii) کا کا صاحب کو سبق پڑھنے کے بارے میں صرف زبانی روایات دستیاب ہیں جن میں ہم اب تک ثابت نہیں کر سکتے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں :-

(1) کا کا صاحب سبق پڑھنے کے لئے ”باباجی کی مسجد“ میں آتے تھے۔ آج تک مسجد کے اندر ایک پتھر موجود ہے جس کے بارے میں روایت ہے کہ اس پر بیٹھ کر سیرسباک کا صاحب کو درس دیا کرتے تھے۔

(ب) اولاد سیرسباک لٹڈی دریاب کے درمیان پانی کی ایک سفید لکیر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ وہ راستہ ہے جس پر چل کر کا کا صاحب آیا کرتے تھے اور اسے کرامت سے منسوب کرتے ہیں حالانکہ پانی کے اندر ایسی لکیریں بنتی رہتی ہیں۔

(ج) کچھ عرصہ ہوا ایک فوجی افسر نے اپنے گاؤں سر ڈھیری کٹی خیل میں اپنی اہلیہ کی یاد میں ایک کنواں تعمیر کیا۔ اس سے پہلے یہ روایت تھی کہ اس گاؤں میں بیٹھے پانی کا کنواں نہیں کھودا جاسکتا کیونکہ کا کا صاحب نے اس گاؤں کے لوگوں کو بددعا دی ہے اور واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت کا کا صاحب سیرسباک علیہ الرحمۃ سے پڑھنے کے لئے جا رہے تھے۔ راستے

میں یہ گاؤں پڑتا تھا۔ کا کا صاحب پیاسے تھے۔ انہوں نے گاؤں والوں سے پانی مانگا گاؤں والوں نے انکار کر دیا جس پر کا کا صاحب نے انہیں بددعا دی۔ (ایکجا پشتیں گزری ہیں ویسے بھی دعایا بددعا کا اثر سات پشت تک رہتا ہے) عوام ان س بھی آج تک اس گاؤں کا تلفظ ”سیرسباق“ ہی کرتے ہیں۔ ان روایات کا ذکر کرتے ہوئے ہمیں اس حقیقت کو بھی سامنے رکھنا چاہئے کہ اخوند سباک کے نام سے ایک دوسرے بزرگ ضلع مردان کے گاؤں رستم میں مدفون ہیں ہم اب تک یہ نہ جان سکے کہ ان بزرگ کی اولاد ”سباک“ کے کیا معنی بتاتے ہیں اگرچہ ان کی اولاد میں ایک فرد میاں شاکر اللہ صاحب آف گوجر گڑھی کے ساتھ اس سلسلے میں میری خط و کتابت ہوئی لیکن بہر حال یہ بات ثابت ہے کہ رستم گاؤں کے یہ بزرگ بڑے اخوند اور مدرس تھے۔

مؤرخ بے بدل جناب بہادر شاہ ظفر کا کاتھیل راقم الحروف کے نام ایک خط مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۷۸ء میں لکھتے ہیں۔ ”سباک“ کو ”سباق“ سمجھ لیا جائے تو یہ اہم مبالغہ ہو جائیگا یعنی بہت زیادہ سبقت کرنے والا۔ ہو سکتا ہے یہ سبقت علم میں زیادتی کے باعث ہو یا کرامت میں۔ بہر حال میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ یہ لفظ درست طور پر ”سباق“ ہے اور عوام میں ”سباک“ مشہور ہوا ہے۔ اگرچہ میں اس روایت کے دوسرے حصے سے متفق نہیں ہیں کہ وہ (سیرسباک) کا کا صاحب کو پڑھاتے تھے۔

III۔ ”خنگ“ اور ”سباک“ دو مترادف الفاظ ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں ”سیرسباک“ تو اس کے معنی ہوئے ”سیرخنگ“

یہ نظر یہ سب سے پہلے قاضی عبدالحکیم آثر صاحب نے پیش کیا۔ راقم الحروف

کے نام ایک خط مورخہ ۲۹ اپریل ۱۹۷۳ء میں لکھے ہیں :-

”لفظ سبک اور خٹک دو مترادف الفاظ ہیں۔ جب آپ کہیں گے سبک تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے کہا ہے خٹک۔ اسی ایک ہی نسل کے لوگ قدیم تاریخی یادداشتوں میں خٹک اور سبک دونوں ناموں سے یاد کئے جاتے تھے۔ جب آپ کہتے ہیں ”پیر سبک“ تو اس کے معنی ہیں۔ آپ نے کہا ہے ”پیر خٹک“ اس کی وجہ کتاب ”تاریخ صحیح الانساب“ ملکیت نواب خواجہ محمد خان ارٹری مرحوم کی درج ذیل عبارت معلوم ہو سکے گی۔

زوجہ لقمان کہ مشہور بہ خطک است، سبک نام داشت سیاہ قام، سروقذ قوی سبک۔ نہایت ہوشیار و دور اندیش بود۔ اب اسی لقمان اور سبک کی نسل ہے، خطک بھی کہلاتی ہے اور سبک بھی۔ حضرت سید محمود ابن سید ابوبکر ابن شاہ اسمعیل جو کہ خطک (سبک) قبیلہ کے پیر ہونے کی وجہ سے پیر خطک کی بجائے پیر سبک کہلائے۔ اب ظاہر ہے کہ قبیلہ سبک (خطک) میں آستانہ داروں کے دو سے خاندان بھی آباد رہے ہیں جن میں ایک فاروقی خاندان کے مشائخ کی ہے اور اسی فاروقی خاندان میں میران اللہ عرف اخوندچالاک اور میر فیض اللہ عرف اخوند سبک دو بزرگ ہو گزرے ہیں۔“

اس نظریے کے بارے میں میرا اپنا خیال یہ ہے :-

قاضی اثر صاحب کا یہ کہنا کہ خٹک سبک زوجہ لقمان کی نسل سے ہیں صحیح ہے۔ اس کی تصدیق خوشحال خان خٹک کے دو اشعار سے بھی ہوتی ہے :-

کہ دو اور پسن تنور اتہ تسلیم دے زہ خوبیا د سبکائی انا خٹکیم

بولاق کہ ہر خوشختک یاد بیری د سبکی دلوریہ بدوی

مشہور اویب و مورخ جناب دوست محمد خان کامل اپنی تصنیف ”کلیات خوشحال خان“ میں اس پہلے شعر کی تشریح یوں کرتے ہیں: ”سبک لقمان عرف خٹک (جو خٹک قبیلے کا جدا جدا ہے) کی زوجہ اور خٹکوں کی داوی تھیں۔“ لیکن ہم اب تک یہ ثابت نہ کر سکے کہ کسی قدیم یا جدید تاریخ میں قوم خٹک کو سبک لکھا گیا ہو۔ البتہ سیر ڈوٹس نے قوم ساگودے (SATTAGUDAI) لکھا ہے جو بعض مؤرخین کے نزدیک خٹک ہیں۔

اس کے ساتھ ہی ہم اس نظریے کو یکسر مسترد بھی نہیں کر سکتے۔ اس بات کی تاریخی شہادت ملتی ہے کہ پیر سبک اور ان کے آباء و اجداد خٹک قبیلے کے پیر رہے ہیں۔ اخوند دوینہ ”اپنی تصنیف“ تذکرۃ الابرار والاشرار“ میں سید ابابکر (والد پیر سبک) ان کے آباء و اجداد اور بیٹوں کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں: ”مردم اذنا ماں خطک تیما ہم بالیشاں رجوع دارند۔“ (ساری خٹک قوم ان سے رجوع کرتی ہے)۔ خوشحال خان اپنی تصنیف ”سوات نامہ“ میں جہاں پشتونوں کے مختلف قبیلوں کے پیروں کا ذکر کرتے ہیں وہاں خٹک قوم کو ”بو بکری اور منصور“ کہتے ہیں :-

خٹک دائرہ جو بکری پیر منصور و

لہ بدعتہ لہ فسادہ پہ بوی و

پیر منصور، پیر سبک کے چھوٹے بھائی تھے۔ ”تذکرہ“ کے الفاظ ”تیمام“ اور خوشحال خان کا ”دائرہ“ قابل غور ہیں۔

راقم الحروف کے نام ایک خط میں استاذی محترم جناب حضرت شاہ پھولاری پیر خشک کی توجیہ کو قرین قیاس لکھتے ہیں بشرطیکہ خشک قبیلے کی کسی تاریخی دستاویز ہے اس کی تائید ہوتی ہو۔

۱۷۔ سہاکی پیر۔ افتخار قوم کا ایک تاریخی مزاج ہے اور اس کے منضبط اصول اور قواعد ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ عربی ناموں کو منقح بنا لیتے ہیں۔ اس قاعدہ کی رو سے اسحاق کو سہاک اور اسحاقی کو سہاکی کہتے ہیں۔ (اثر)

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے ایک بھائی اسحاق الموافقؑ تھے۔ کہتے ہیں کہ اسحاق الموافقؑ کی اولاد میں سے ہونے کی وجہ سے ”سہاکی پیر“ کہلائے۔ لیکن اس خاندان کے کسی شجرے میں بھی سلسلہ اسحاق الموافقؑ سے ہمیں ملایا گیا۔ سب شجرے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے جا کر ملتے ہیں۔

۱۸۔ ایک توجیہ یہ ہے کہ ”سبکین“ کے نام سے ایک گاؤں ملک شام میں واقع ہے۔ جناب حضرت شاہ پھولاری لکھتے ہیں: ”سبک مصر کا علاقہ ہے۔ تقی الدین سبکی کے بارے میں المسجد فی الادب والعلوم میں ہے ولہ فی سبک متوفیہ

(مصر ۷۴۷)۔ کئی محدثین اور فقہاء ”سبکین“ گاؤں سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ”سبکی“ کہلائے۔ تاج الدین سبکی، امام تقی الدین سبکی، عبدالباقی سبکی۔ سعید سبکی معروف سبکی اور محمد عمر سبکی وغیرہ۔ مولانا میر محمد حقیق سبکی (زمانہ حیات ۱۱۱۴ھ) ایک محدث حلیلی اور فقیہ بے عدیل بھی اسی خاندان میں گزرے ہیں۔ حضرت محمود شاہ اسی مولانا میر محمد حقیق سبکی کی اولاد میں سے ہیں اور اسی نسبت سے ”سبکی پیر“ ہوئے۔

اکثر پشتون قبائل کی وجہ تسمیہ یا تو جغرافیائی ہے اور یا مادری۔ شیتک (نوجی) مسات بانو کے نام کی مناسبت سے یا نوزئی (نوجی) کہلاتے ہیں۔ بی بی متو کی ساری اولاد کو متی قبیلہ کہتے ہیں۔ اسی طرح خشک۔ شجے زئی۔ مریم زئی اور عائشہ زئی بھی ہیں۔

جغرافیائی مناسبت کی بھی ایک معقول وجہ ہے۔ سینتوں قبائل اپنی ہجرت کے دور میں اجمیال، غریستان، بلوچستان، قلات، غرناؤ اور ننگر پار کے علاقوں میں رہے ہیں۔ تاریخ حیات افتخانی صفحہ ۲۳۱ میں بلوچستان کے تاریخی مقام ڈاڈر کے نام کے ساتھ ایک جگہ کا نام ساک لکھا ہوا ہے جسے آج کل ”سبا“ کہتے ہیں۔ یہ ساک ملک شام کے شہر ”سبکین“ کی مناسبت سے ہے۔ تاج الدین سبکی اور نقی الدین سبکی وغیرہ یہیں پیدا ہوئے۔ بنی اسرائیل قبائل نے اپنی نئی آبادیوں کو اپنے آبائی شہروں کے نام دیئے۔

لیکن اس نظریے میں سب سے بڑی قیامت یہ ہے کہ اس خاندان کا کسی وقت بھی بلوچستان میں رہنا ثابت نہیں ہے اور نہ ہی محمود شاہؑ سے پہلے کسی بزرگ کو ”سبکی پیر“ کہا گیا ہے۔ اگرچہ ان کے شجرے میں بارہویں پشت پر ایک بزرگ کا نام ”میر یعقوب“ ہے جو سید جلال الدین حسین مخدوم جہانیاںؑ جہاں گشتؑ کے واسطے سے امام موسیٰ کاظمؑ کی اولاد سے ہیں۔

۱۷۔ قاضی عید الحلیم اثر افتخانی مدظلہ العالی اپنے خط مورثہ ۱۹۷۹-۶-۱ میں ”سبک یا باق“ کے بارے میں رقمطراز ہیں: ”من الزیات مصری اپنی تالیف تاریخ الادب العربی (صفحہ ۱۷) میں لکھتے ہیں کہ یہ جو مختلف ممالک میں مقامات اور

علاقوں کے تاریخی نام ہیں۔ یہ ثقافتی آثار قدیمہ ہیں۔ ایک جگہ ایک نام ہوگا۔ یہ کسی قدیم قوم کی کسی قدیم زبان کا ہوگا۔ یہ نام نہیں بتلاتا ہے کہ کبھی تاریخ کے کسی زمانہ میں وہ قوم جن کی زبان سے یہ نام اس ملک میں موجود ہے لیکن وہ قوم خود یہاں موجود نہیں ہے وہ کبھی اس سرزمین پر رہ چکی تھی اور اب یہ نام اس قوم کے آثار قدیمہ کے طور پر باقی رہ گیا ہے۔

حسن الزیات مصری کے اس نظریے کی بنیاد پر قاضی اتر صاحب نے 'سباک' یا 'سباق' کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:-

(۱) یہ لوگ سباق ابن عبداللہ ابن قسبی کی نسل سے ہیں (قسبی ابن کلاب حضرت نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد تھے) جو بلوچستان سے ہوتے ہوئے شہاب الدین غوری کے عہد حکومت ۵۹۵ھ/۱۱۹۹ء میں نوشہرہ کے قریب آباد ہوئے۔

(ب) عربی حرف قی ارامی لہجہ میں حرف کس پڑھا جاتا ہے۔

(ج) علاقہ راجستان کی قوم چلاک جو عربی النسل تھی۔ اسی زمانے میں ۶۰۰ھ میں مردان کے علاقے بائزلے میں آباد ہوئی۔ آگے چل کر لکھتے ہیں "چلاک اور سباق دو بھائی تھے۔ یوں سمجھا چاہئے کہ دو بھائی تھے ایک بلوچستان کے مشرقی حصہ توہان کے سباک میں رہا۔ دوسرا سراک (چلاک) میں رہا۔ وہلی کی فتح کے بعد دادئی پٹان میں آباد ہوئے۔ ان کے مقامات سباک اور چلاک کہلائے۔ کیا یہ لوگ نسل سید ہیں؟ اور اگر ہیں تو حسین سادات کے خاندان میں کس خاندان سے ہیں۔ یہ بحث چاہتا ہے۔ حیات افغانی نے ان کو عربی خیل کہا ہے۔ ظاہر ہے عبداللہ

کی نسل کے سباکی بھی عربی ہیں۔ سادات میں بھی عربی خیل موجود ہیں..... یہ لوگ اسحاق الموافق ابن امام موسیٰ کاظمؑ کی نسل سے ہیں لیکن ان کے بعض دوسرے شجرہوں میں جیسا کہ حیات افغانی نے بیان کیا ہے اور مختلف شجرے ترتیب دیئے ہیں۔ ان کا شجرہ سادات کے دوسرے خاندانوں سے ملتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

میرے خیال میں قاضی صاحب نے "سباک" گاؤں کی جو وجہ تسمیہ بیان کی ہے وہ قریب حقیقت نہیں ہے۔ میں اس بارے میں صرف یہ کہوں گا کہ گاؤں کا یہ نام سہارے جد امجد کے یہاں آباد ہونے کے بعد پڑ گیا۔ اس سے پہلے یہ علاقہ ویران تھا اور شہر صفا کہلاتا تھا۔ دلہ زاکوں کی ملکیت تھا۔ دلہ زاک ۱۵۳۰ء سے ۱۵۴۵ء کے درمیانی زمانے میں یہاں سے نکالے گئے۔ اس گاؤں کا نام ۱۵۴۵ء کے بعد ہی پیرسپاک شہور ہوا۔ اس لحاظ سے ۱۱۹۹ء بہت پہلے کا زمانہ ہے۔ دیسے ایک شجرے میں پیرسپاک کی چوتھی پشت پر بزرگ کا نام میر علی کی جگہ سید ولی لکھا ہوا ہے ساتھ ہی حاشیہ میں یوں درج ہے "سباک یا سباق" (سن واضح پڑھا نہیں جاتا) میں شہید ہوا۔ اس کی قبر پیرسپاک کے گاؤں کے مشرق میں ہے۔ قطعہ تاریخ:-

مید ولی چون رفت ازین سخن عارفان
تاریخ وصل اد ز نرد جسم آں زمان
آمد نذا بہ گوش دلم گوش کن بہ من
شد فوت اد شہید قریشی نجی بدن
شد دفن نرد شہر صفا شرق رویہ دیہہ
یارب نصیب کن بجز رحمت لدیہ

عمر شریفیتش آدھ ہشتاد ہشت سال
 آمد ندایہ بندہ ز درگاہ ذوالجلال
 آنجا ز نسل ادرست بے شائقانِ دین
 شامان ہندوادہ بدیشاں ہماں زمیں

فاضل عقاب خٹک اپنی تالیف "پیر سہاک" میں لکھتے ہیں :-
 "ان بے ربط اشارے کوئی تاریخ نہیں نکلتی اور کسی قریشی کے متعلق کہے
 گئے ہیں جو شہید کیا گیا تھا۔ ۱۲۰۲ھ میں پیر سہاک کے پردادا کے یہاں آنے کا
 کوئی امکان نہیں ہے چہ جائیکہ یہاں دفن ہوتا۔"

۷۷ پیر سہاک :- فاضل خٹک عقاب اپنی تالیف "پیر سہاک" میں
 لقب کے عنوان سے لکھتے ہیں: "مراقات رحکار کی بعض بعد کی تھلوں میں
 سہاک کو سہاک اور سہاک بھی لکھا گیا ہے لیکن بادی النظر یہ دونوں
 بہل ہونے کے ساتھ غلط بھی ہیں۔ سنسکرت زبان کا ایک لفظ "سہاک"
 ہے جو اردو میں بھی مستعمل ہے۔ جس کے معنی ہیں خوش نصیب۔ دو تہند۔ عقاب
 خٹک صاحب اسی کتاب کے صفحہ ۴۱ پر لکھتے ہیں :- "پیر صاحب کی بہت زیادہ
 جاٹیلوگی وجہ سے آپ کی اولاد صاحب شہادت ہو گئی تھی۔۔۔۔۔" میرے خیال میں یہ بھی
 ہو سکتا ہے کہ کثیر جاٹیلوگی کے بننے کے بعد وہ پیر سہاک کے نام سے مشہور ہوئے ہوں
 اور پدی گئی توضیحات اپنی بنا قوی اور مضبوط دلائل پر رکھتی ہیں۔ ان میں
 توضیحات ۱ تا ۱۱ رئیس المحققین قاضی عبدالحلیم اثر افغانی کے زورِ قلم کی
 مزہون منت میں جن کے بارے میں دانشوروں کا خیال ہے کہ ان کے کلمے کو اختیار

کے ساتھ پرکھنا چاہئے محققیت کے زعم میں فرضی افسانہ طرازی کر رہے ہیں اور
 یہ ہماری آئندہ نسلوں کے لئے بہت مضر اقدام ہے۔ (بہادر شاہ ظفر)
 "سہاک" کے متعلق اب تک قطعی توضیحات لکھی گئی ہیں وہ سب کی سب قطعی و قطعی
 ہیں میرے خیال میں توضیحات I، II، III کچھ قرین قیاس معلوم ہوتی ہیں۔
 اصلیت معلوم کرنے کے لئے مطالعے، وقت اور تحقیق کی ضرورت ہے۔

دادا

قطب ارشاد، غوث زمان، پیر شاہ اسماعیل قدس سرہ العزیز
 پیر سہاک کے دادا کا نام شاہ اسماعیل تھا۔ آپ سید میر علی کے
 فرزند تھے جو خود بھی مرشدِ کامل، بادی وقت اور مشہور دہلی تھے۔ حضرت شاہ اسماعیل کے
 حالات زندگی صاحب کتاب "قصۃ المشائخ" نے انہوں نے "جو" کے حوالے سے اور مولانا ملک
 نے کتاب "مناقب" کے حوالے سے جو حضرت سید آدم کی تصنیف بیان کی جاتی ہے لکھے
 ہیں حضرت شاہ اسماعیل رحمت اللہ علیہ قطب الاقطاب حضرت شیخ بہاء الدین زکریا
 طمانی کی اولاد میں سے ایک بزرگ کی خدمت میں رہتے تھے۔ ان کے ذمہ دریا
 سے پانی لانے اور پھر اس سے مرشد کو وضو کرانے کا کام تھا۔ کافی عرصہ وہ یہ خدمت
 کرتے رہے۔ ایک رات ان کے پیر نے ان کو دریا سے پانی لانے کا حکم دیا۔ دریا
 ملتان شہر سے دور تھا۔ شاہ اسماعیل حسب الحکم دریا کے کنارے پہنچے اور کوزے
 کو پانی سے بھر لیا کہ اتنے میں دریا کی مچھلیاں دریا کے کنارے آکر فصیح زبان میں
 گویا ہوئیں۔ "پیر شاہ اسماعیل قطب شاہ اسماعیل اور غوث شاہ اسماعیل" شاہ اسماعیل
 متعجب اور حیران اپنے مرشد کی خدمت میں پہنچے۔ صبح کے وقت مرشد نے ان سے
 رات کا واقعہ بیان کرنے کو کہا۔ انہوں نے رات کو جو کچھ دیکھا تھا من و عن بیان

کر دیا حضرت مخدوم نے فرمایا۔ ”میرے ہتھنوں میں جتنا دودھ اور شہد تھا سب تجھ کو دے دیا۔ اب میرے ہتھنوں میں دودھ باقی نہ رہا۔ سب کو آپ پر خشک کر دیا اب تجھ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ ذکر الہی میں مشغول ہو جاؤ اور مخلوق خدا کی صحیح رہنمائی کرو۔“ اپنے مرشد کے حکم پر آپ اٹھ کر علاقہ خوست آگئے اور صحرا میں زیر زمین ایک غار میں رہنے لگے۔ ایک سال تک وہاں رہے۔ راوی کا بیان ہے کہ کھانے اور پینے کی حاجت سے بے نیاز تھے۔ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ اپنے صحابہ امیر المؤمنین عمر بن خطابؓ اور جناب علی المرتضیٰؓ کو اللہ پرہیزگار کے دہانہ پر تشریف لائے۔ غار کے کنارے ایک سرسبز درخت تھا جس کی ٹہنیوں کو سوار مرد کے ہاتھ نہیں پہنچتے تھے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک بلند فرمایا۔ درخت کی ٹہنی جھک گئی۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے ٹہنی کو پکڑا اور امیر المؤمنین حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کو اللہ و جہنم سے فرمایا۔ جاؤ غار کے اندر میرے بیٹے اسمعیل کو میرے پاس لاؤ۔ دونوں اصحاب آنحضرت کے حکم پر غار کے اندر گئے اور شاہ اسمعیلؑ کو نبی اکرمؐ کے پاس لے آئے جب شاہ اسمعیل نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا بھاگ کر اپنا حضورؐ کے مبارک قدموں میں رکھ دیا۔ شاہ اسمعیل کا جسم زخمی تھا جس میں جگہ جگہ کیڑے پڑ گئے تھے۔ حضور پاکؐ نے اپنا دست شفا ان کے جسم پر پھیرا۔ زخم ٹھیک ہو گئے اور اس کے بعد حکم دیا۔ ”اسمعیل اس غار سے چلے جاؤ اور لوگوں کی خدائے ذوالجلال کی طرف رہنمائی کرو۔“ شاہ اسمعیل نے عرض کیا ”حضور میں تو ان پڑھ ناخواندہ ہوں میرے پاس تو خلق خدا کی تلقین و نصیحت کے لئے کچھ بھی نہیں۔“ رسول خداؐ نے فرمایا۔ ”اس سے تمہیں کیا غرض بقصوڑے ہی غرض

میں صاحب تکمیل ہو جاؤ گے۔“ اس کے بعد عرض کی۔ ”حضورؐ رجبہ التماسات رکھتا ہوں ان کو قبول فرمائیے۔“ حضور پاکؐ نے اجازت دی کہ ہو۔ شاہ اسمعیل نے چار التماسات عرض کیں جو حضورؐ نے قبول فرمائیں :-

(۱) جس کو کئی تلقین کروں اور بیعت دوں وہ بختا جائے۔

(۲) فقر و زبدا کا یہ منصب روز قیامت تک میرے خاندان میں رہے۔

(۳) میرا ہر بیٹا جان و مال کا سخی ہو (میرے سب بیٹے ریحیم دیکھیں ہوں)

(۴) اس آخری وقت میں بہت سے سادات اپنے دلوں میں خیالات فاسد رکھتے

ہیں میری اولاد میں کوئی رافضی پیدا نہ ہو (میرے لئے درد سرنہ ہو)

آنحضرتؐ نے چاروں التماسات کے قبول فرمانے کے لئے بارگاہ ایزدی

میں دعا فرمائی اور رخصت ہو گئے۔

اس واقعہ کے دوسرے یا تیسرے دن ان اطراف میں رہنے والے انفالوں

کے خوگیاہی قبیلے کی تین شاخیں: پربہہ، عبدالرحمن اور بکن (لکھن)

حکم الہی سے غار کے وہاں پر آئے۔ شاہ اسمعیل کو غار سے باہر لائے۔ تینوں

قبیلوں کے افراد نے ان کو ساتھ لے جاتا چلا۔ نوبت لڑائی جھگڑنے تک پہنچی

آخر قبیلے کے ملکوں اور سفید ریشوں نے فیصلہ قرعہ اندازی کے ذریعے کیا قرعہ

پربہہ قبیلے کے نام نکلا۔ اس قبیلے کے افراد شاہ اسمعیل کو ساتھ لے گئے اور

اپنے ملک (کہ خدائے) کی بیٹی شاہ صاحب کی زوجیت میں دے دی۔ اس بی بی

سے ان کے بہت سارے بیٹے بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ آج بھی اس قوم میں سنوہر

جیسی سردق اور صاحب جمال عورتیں پیدا ہوتی ہیں۔

جس درخت کی پتی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے چھوا تھا، اس کا پتہ کھانا آج بھی ہر مرض کے لئے شفا ہے۔

حضرت سید اسماعیل بن محمد ثمرین میر علی مرست گدائی قدس سرہم اور گزنی علاقہ تیراہ کے رہنے والے تھے۔ ملتان جا کر سہروردیہ سلسلہ کے کسی بزرگ سے بیعت ہوئے جو حضرت شیخ بہادر الدین زکریا ملتانی قدس سرہ کی اولاد سے تھے۔ خواست علاقہ سمت جنوبی وزیرستان میں مجاہد ہے اور ریاضت میں مصروف رہے اور وہیں دسویں صدی ہجری میں وصال ہوا۔ وہیں مزار ہے۔ (احوال العارفین ص ۱۵)

حضرت اسماعیلؒ کے دو بھائی تھے نور اللہ اور شاہ ابرہیم۔ آپ کا مزار مبارک علاقہ خوست میں ہے۔ لنگ نے اس مقام کا نام "نور" لکھا ہے جبکہ ایک شجرے میں یہ گاؤں "اسٹار" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ زیارت گاہ خاص و عام ہے اور لوگ قبول دعا کیلئے وہاں جاتے ہیں۔ پیر سیاک کے آباء و اجداد بخارا سے آئے اور علاقہ خوست میں "مشکوہ" کے مقام پر بود و باش اختیار کی۔ چند نسلوں

آبائی وطن

تک وہاں رہے۔ اس کے بعد چند بزرگ بلنڈیل علاقہ کوٹلٹ میں آباد ہوئے۔ کچھ دوسرے خوست کو چلے گئے اور بعض اصل خوست میں رہ گئے۔ ان میں جس بزرگ کو جو بھی جگہ پسند آئی وہاں آباد ہو گئے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ پیر سیاکیوں کے اکثر شجروں میں جلال الدین حسین (لال شاہ بخاری) کا ذکر آتا ہے جو ادب شریف میں دفن ہیں۔ اس سے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ پیر سیاک کے بزرگ بخارا سے ادب شریف، وہاں

سے ملتان اور ملتان سے خوست آئے جبکہ چالاک خیلوں کا شجرہ ادب شریف سے نہیں ملتا لیکن ان کی اولاد کے بقول ان کے جد امجد پیر چالاک اس علاقہ میں آنے کے بعد واپس بخارا چلے گئے اور ان کا مزار مبارک بھی بخارا میں ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس خاندان کا تعلق بخارا سے کافی عرصہ تک رہا۔

ایک تاریخی روایت ہے کہ جلال اعظم ابو البرکات میر سرنج بخاری (متوفی ۶۱۹ھ) کے دو فرزند آپ کے ساتھ بخارا سے آئے تھے۔ وہ وہاں کے بادشاہ کے نواسے تھے۔ ان کے نام تھے علی اور جعفر۔ جعفر واپس بخارا چلا گیا اور علی یہاں ہندوستان میں رہ گیا۔ اس علی کا نام "تذکرہ سادات مشہدیان" میں علی کبیر درج ہے۔ شاہ بخارا کا نام تھا طاہر ابن یعقوب۔ یہ طاہر سید اسحاق الامیر ابن موسیٰ کاظمؑ کی نسل سے تھے۔

اب شجرہ لکھنے والوں نے یوں کیا کہ علی کبیر کو ابن بنت عبداللہ طاہر ابن یعقوب لکھنے کی بجائے علی کبیر ابن طاہر یعقوب لکھا اور شجرہ ہما کی سادات سے ملایا گیا۔

اگر یہ نئے معلومات صحیح ہیں تو حضرت مخدوم جہانیاں جلال الدین حسین بخاری کے والد احمد کبیر اور حضرت سید علی کبیر دونوں بھائی ہیں اور وہ جو آپ لوگ سید مخدوم جہانیاں سے اپنا شجرہ ملایا کرتے تھے اس میں یوں ترمیم کرنی پڑے گی کہ پیر سیاکی سادات حضرت مخدوم جہانیاں کے بڑے چچا صاحب کی نسل سے ہیں۔ (بحوالہ مکتوب قاضی عبدالحلیم اثراختی مورخہ ۱۹۰۷ء ص ۹۰-۹۱) شجروں کے باہمی تفاوت کے باوجود میرے خیال میں تین یا تین مشترک ہیں۔

(i) یہ بخاری سادات کا خاندان ہے۔
 (ii) جلال الدین پہلے بزرگ تھے جو بخاری سے تشریف لائے۔

(iii) امام موسیٰ کاظمؑ کی اولاد سے ہیں۔

آبائی پشتہ
 بقول مصنف "قصۃ المشائخ" اس خاندان کا فقیری،
 درویشی اور کسب حلال کے سوا کوئی دوسرا شمار نہیں۔
 اس خاندان کے اکثر بزرگ کھیتی باڑی اور تجارت بھی کرتے تھے۔

والد
 شیخ ابابکر قدس اللہ سرہ العزیز پیر ساک کے والد بزرگوار تھے
 بعض بیوروں میں نام ابو بکر لکھا ہے۔ اپنے والد حضرت شاہ اسماعیل
 کے بڑے بیٹے تھے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد ان کے قائم مقام مقرر ہوئے
 طریقہ عالیہ سہروردیہ میں اپنے والد سے مجاز اور ماذوں تھے۔ خلق خدا کو دعوت
 حق دیا کرتے تھے۔ ان کے مریدوں میں شیخ بہادر خان المعروف ابک باباؒ شیخ
 نسک دیوانہؒ اور شیخ حسن اتخان ساکن شیدو شامل تھے۔ یہ تینوں بزرگ ان
 کی صحبت میں درجہ کمال کو پہنچے۔ معنوی کمالات، اچھے اخلاق اور بلند مرتبے
 کے حامل ہوئے۔

حضرت سید ابوبکر بن حضرت سید اسماعیل قدس سرہا اپنے والد بزرگوار سے سلسلہ
 سہروردیہ میں بیعت ہو کر مجاز طریقت ہوئے۔ اور والد بزرگوار کے بعد سند نشین ہوئے
 آپ کے خلفاء میں حضرت شیخ بہادر خان المعروف ابک خان قدس سرہا متوفی ۱۱۸۰ھ
 یا ۱۱۸۱ھ والد بزرگوار حضرت شیخ رحکار المعروف کا کا صاحب قدس سرہا۔ آپ کا مزار
 خوست میں ہے۔ (کتاب احوال العارفین ص ۵۵)

اب ہم ان تینوں بزرگوں کے مختصر حالات بیان کرتے ہیں:-

بہادر خان باباؒ
 المعروف بہ ابک صاحب حضرت مست یاباؒ
 کے فرزند ارجمند اور اپنے زمانے کے قطب گزڑے
 ہیں حضرت شیخ رحکار المعروف کا کا صاحبؒ ان کے بیٹے تھے۔ ابک باباؒ کا
 مزار اقدس قصبہ زیارت کا کا صاحبؒ سے بجانب جنوب مغرب ۴ میل کے فاصلے
 پر واقع ہے اور شیخ فیوض و برکات ہونے کی وجہ سے مرجع خلایق ہے۔ ان کی
 اولاد ابک خیل کہلاتی ہے۔

تاریخ وفات بعض تذکروں میں ۱۰۰۰ھ اور بعض میں ۱۱۸۰ھ
 درج ہے طریقہ عالیہ سہروردیہ اور چشتیہ دونوں میں بیعت تھے۔ صاحب مجمع البرکات
 نے ان کے سلسلہ چشتیہ کے مرشد کا نام شیخ محمد جوہر لاہوری لکھا ہے۔ مفتی
 سیاح الدین صاحب نے ان کے سہروردیہ سلسلے کے پیر کا ذکر نہیں کیا۔ اب اگر
 ان کا سلسلہ طریقت جہاد ابائے ہوتو "قصۃ المشائخ" کے کہنے کے مطابق
 شاہ ابابکرؒ ہی اس سلسلے میں ان کے پیر طریقت ہو سکتے ہیں کیونکہ "قصۃ المشائخ"
 کے باقی ذکر کردہ دو بزرگ شیخ حسن اور شیخ نسک تو یقیناً شیخ ابابکرؒ کے مرید تھے۔

کتاب احوال العارفین میں بھی بہادر خان المعروف ابک صاحب کو حضرت شیخ ابابکرؒ کا
 مرید اور خلیفہ لکھا گیا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت پیر ساکؒ شیخ بہادر خان باباؒ کے مطالبہ اور دعوت
 پر علاقہ خشک میں تشریف لائے۔ واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ بہادر خانؒ
 نے اپنے پیر و مرشد شاہ ابابکر قدس اللہ سرہ العزیز سے عرض کی کہ اپنے ایک

یہیے کو عنایت و شفقت فرما کر میرے ساتھ روزِ فراد میں تاکہ اور لوگ بھی ان کے فیض سے فائدہ اٹھا سکیں شاہ ابا بکر نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی اور اس طرح پیر ساک پشاور کے مضافاتی علاقہ خشک میں آگئے اور موضع دلی میں سکونت اختیار کی۔

خوشحال خان خشک نے "صوات نامے" میں جہاں یوسف زئیوں کو شاہ عیسیٰ کامرید لکھا ہے، اورک زئی اور آفریدیوں کو روشنائی بتایا گیا ہے غوری خیل شاہ قاسم کی فیض یا برکات سے بہرہ ور ہو رہے ہیں اور شینگ یا بتوچی پیر ونگر کے مطیع و فرمان بردار ہیں، وہاں تمام خشک قوم کو شاہ ابا بکر اور ان کے بیٹے شاہ منصور کامرید بتایا گیا ہے۔ نالغہ افغان اس کے ساتھ ہی فراتے ہیں کہ قوم خشک ان ہی کی وجہ سے بدعت و فساد سے بچی ہوئی ہے۔

ہخہ دخت چہا پیر رویشان فساد بنیاد کر
پنتو ورسره تنیک کار د فساد کر
پنتانہا پہ ہخہ دور پیر پوست و
شوگ مرید دشاہ عیسیٰ شوگ دست و
د رویشان بخرہ وریک زید آفریدی شول
ہخہ خویش پہ رہزنئی پہ عنیدی شول
د قاسم پہ بخرہ واره غوریہ خیل و
دنگر پیرو تہ د بنوشینگ ایل د
خنتک واره بوبکری پیر منصور و

لہ بدعتہ لہ فسادہ پہ دوری و
یوسف زیہ ہمہ واره عیسیٰ و
ملکانو سرہ گلہ پہ رسوائی و
ابوبکر او پیر منصور واره تر خوشحال د مخ (۱۹۰۰ء و) دختکو پیران

تیرشوی دی۔ چچی د خوشحال خان لہ دغہ بیتہ پی مونن پیٹرتو
خود چچی خوشحال خان غوندی نقاد سہری و دوری پیروان "لہ بدعتہ او
فادہ لیری" گہنی دا بنکارہ چہ دوری بہ بنہ خشک و۔ د اخوند دروینہ پہ تذکرہ
کی بد "ابوبکر قندھاری پیر خنتک" یاد شوی دی۔ چچی اصلا متہی زخی خیل
او د شیخ گتہ لہ کر سیا نونخہ و۔ بابا بکر خیل متہی زری د تہ منسوب دی۔
بنائی چہ دلتہ بہ دغہ سہری مرادوی اما پیر منصور د پیر عمر باہر زوی او د
بنوں او پینور تر مند دختکو پیر و۔ (صوات نامہ۔ حاشیہ از عبدالحی عیسیٰ)
ترجمہ: ابوبکر اور منصور دونوں بقول خوشحال خان (زبانہ ۱۹۰۰ء) خشک قبیلے کے
پیر گزرے ہیں جن کو خوشحال خان کی اس شہادی کی وجہ سے ہم پہچانتے ہیں۔
چونکہ خوشحال خان جیسے تھا وہاں بزرگوں کے پیروکاروں (مستقدین) کو بدعت
اور فساد سے دور سمجھتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ اچھے لوگ ہوتے ہوں گے
اخوند دروینہ کے تذکرے میں ابوبکر قندھاری کے نام سے خشکوں کے ایک پیروکار کو کیا
گیا ہے جو اصل میں تہی زخی خیل اور شیخ گتہ کے پیرو توں میں سے تھا۔ بابا بکر خیل متہی
زئی ان سے منسوب ہیں معلوم یہ ہوتا ہے۔ کہ یہاں مراد وہی بزرگ ہیں لیکن پیر منصور
پیر عمر باہر کا بیٹا اور بنوں پشاور کے درمیان آباد خشکوں کا پیر تھا۔

مندرجہ بالا بیان میں فاضل حبیبی نے ابو بکر خوستی اور ابو بکر قدیری میں فرق نہیں کیا۔ اخوند درویش کے بیان کا ذکر بعد میں آجائے گا۔ جس میں وہ ابو بکر اور ابو بکر کا ذکر کرتے ہیں۔ اور ان کو ایک ہی خاندان کے افراد سمجھتے ہیں۔ ابو بکر کا ذکر خوشحال خان نے تذکرہ اولیاء کے حوالے سے تاریخ مرصع میں کیا ہے۔ اور ان کو پشتونوں کے سردار بن شامخ کے شاخ میں سے شمار کیا ہے۔ تاضی اثر افغانی نے بھی اپنے ایک مقالے میں ابو بکر بن خواجہ محمد زاہد ابن شیخ میرداد ابن شیخ سلطان ابن شیخ کلمہ کا ذکر کیا ہے۔ جس کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔

”ان کی اولاد کو ابو بکر خیل کہتے ہیں۔ ان کا ایک بیٹا تھا۔ صاحب خان اولاد صاحب خیل کے نام سے مشہور ہے۔ صاحب خان کا ایک بیٹا فتح خان تھا۔ فتح خان کی اولاد فتح خان خیل کہلاتی ہے۔ یہ دونوں گھرانے باجوڑ میں آباد ہیں۔ ابو بکر کی زیارت علاقہ تیراہ اور ک زئی درہ علی شیر زئی کے موضع سپری (چٹارک) میں واقع ہے۔

ابا بکر ابن خواجہ محمد زاہد پشین بوجہستان کے اس شہر علی ادبی اور تاریخی گھرانے کے ایک بزرگ تھے۔ جن کے مورث اعلیٰ خواجہ عبداللہ انصاری بڑی متوفی ۱۰۸۱ھ / ۱۰۸۱ء تھے اس جلیل القدر خاندان میں روحانی اور عرفانی مرتبہ رکھنے والے صاحب تصنیف کئی اور بزرگ بھی گزرے ہیں جیسے (۱) شیخ محمود المعروف بہ شیخ متی۔ قلات بابا۔ مصنف کتاب ”ذخائر المینہ“ وفات ۶۸۸ھ (۲) شیخ یوسف (۳) غوث الزمان شیخ کلمہ (۴۸۸ھ) مصنف کتاب ”لسخونی پنتادہ“ (۴) شیخ میرزا خلیل متی زئی زانہ ۸۶۲ھ (۵) خواجہ نصر زانہ ۱۰۳۱ھ۔ مصنف کتاب ”تاریخ الافغان“ (۶) شیخ قدم زانہ ۹۵۱ھ ان کی زود حضرت بی بی کلمہ مصنف کتاب ارشاد الفقراء تھیں۔ (۷) پیر قاسم وفات ۱۱۱۶ھ مصنف ”تذکرہ اولیاء“

(۸) میاں واصل ابن پیر شیخ قاسم مشہور روشانی المسک شاعر تھے۔ جن کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف خوشحال خان نے بھی کیا ہے (۹) شیخ کبیر ابن شیخ قاسم (۱۰) عبدالوہاب ماشو گنگر والا شیخ امام الدین نعمت اللہ زفات ۱۰۶۰ھ مصنف کتاب ”تاریخ افغانی“ (۱۲) شیخ میاں نعمت متی زئی خلیل زانہ ۱۳۳۰ھ..... پیر روشان بھی اس خاندان کے ایک ممتاز فرد تھے..... پیر زئی پشاور کے پیر صاحبان اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ”بحوالہ مقالہ پشین کا آستانہ دار حضرت شیخ کلمہ“ متی زئی از عبدالعلیم اثر افغانی۔ ماہنامہ اولس کوئٹہ نومبر۔ دسمبر ۱۹۷۳ء)

مختصر کلام یہ کہ ابو بکر ابن شاہ اسماعیل ابن میر علی اور ابو بکر ابن خواجہ محمد زاہد ابن شیخ سلطان ابن شیخ کلمہ دو بالکل ہی مختلف آستانہ دار گھرانوں کے بزرگ افراد تھے۔

بہادر خان بابا بھی قوم کے لحاظ سے کمرلانی خشک تھے اس لئے انہوں نے ضرور شیخ ابو بکر سے بیعت کی ہوگی اور یہ کوئی اچھے کی بات نہیں۔ خان کے مندرجہ بالا اشارے سے یہ بات بھی ظاہر ہے کہ شیخ ابا بکر پیر روشان کے ہم عصر اور ان کے مخالف تھے۔ اس کا ذکر بعد میں آئے گا۔

شیخ نسک کمرلانی

شیخ نسک اور ان کے بڑے بھائی شیخ حسن دونوں سید ابا بکر کے

مرید تھے۔ قوم کے خشک تھے۔ موضع ٹیری (ضلع کوہاٹ) کے رہنے والے تھے۔ ٹیری سے گورگی جانے والی سڑک پر ۴-۵ میل کے فاصلے پر دفن ہیں۔ ان کی زیارت پر کافی لوگ جاتے ہیں اور نسک بابا کے نام سے مشہور ہیں صاحب حال و جلال ہونے کے باوجود شریعت مطہرہ کے سچے پابند تھے۔ ان کی بہت سی کرامات کا ذکر ”تاریخ مرصع“ میں مرقوم ہے۔

(۱) روایت ہے کہ شیخ نسک قدس اللہ سرہ العزیز ٹیسری گاؤں میں پیدا ہوئے شیخ ابابکرؒ نوست میں تھے۔ شیخ نسک نے ان پر سلام بھیجا۔ شیخ ابابکرؒ نوست سے شیخ نسک کو دیکھنے کیلئے روانہ ہوئے جب درہ پہنچے تو شیخ نسک کے سلام کا جواب دیا۔ حسنؒ شیخ نسک کا بڑا بھائی تھا۔ انہوں نے شیخ ابابکرؒ سے دریافت کیا ”آپ نے کس کے سلام کا جواب دیا؟“ شیخ ابابکرؒ نے جواب دیا کہ انہوں نے شیخ نسک کے جواب میں علیک کہا۔ شیخ حسن نے کہا ”ہم نے اس کا نام نسک نہیں رکھا“ شیخ ابابکرؒ نے فرمایا ”ان کا نام حضور حق تعالیٰ سے نسک دیوانہ دکھ دیا گیا ہے۔ جب میں گرگین چلی کے مقام پر پہنچا تو انہوں نے مجھے سلام کیا اور اب میں نے اس کا جواب دیا۔

(۲) روایت ہے کہ مہندی قبائل شکار کے لئے روانہ ہوئے۔ انہوں نے شیخ نسک سے کہا ”آپ ہمارے دیوانے ہیں، ہمارے ساتھ جائیں۔ ہم آپ کو اپنے حصہ سے ایک مصلیٰ اور شکاری جانور کا ایک عضو زیادہ دیں گے“ شیخ نسک ان کے ساتھ روانہ ہوئے جب ”کرہڑ“ کے تالاب پر پہنچے تو قبیلے کے لوگوں نے ایک کاروان کو گھیر لیا اور کافی لوٹ مار کی۔ شیخ نسک نے ان کو لوٹ کا مال واپس کرنے کو کہا کیونکہ یہ حرام تھا انہوں نے ایسا نہ کیا۔ شیخ نسک ان سے ناراض ہو کر بونیر چلے گئے۔ سات سال تو دررک میں گزارے۔ سات سال تک مہندی قبائل تھوڑے میں بتلا رہے۔ وہ روتے ہوئے شیخ ابابکرؒ کے پاس گئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور قحط کے خاتمے کے لئے دعا فرمائیں شیخ ابابکرؒ نے فرمایا ”شیخ نسک تمہارے لئے مثل چوئی مندرہ تھا جب تک تم اسے ساتھ نہیں لاؤ گے یونہی قحط میں مبتلا رہو گے“ اس کے بعد قبیلے کے دس افراد بونیر گئے۔ شیخ نسک کو ساتھ لائے۔ ہر گھرانے کے اوپر دو عدد بچھڑے

اور دو عدد دُبنے بطور نذرانہ شیخ نسک کے لئے منظور کئے مگر بعد میں وہ اس دلع سے مکر گئے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ بچھڑے گاٹیوں سے اور لیلے بکریوں سے جدا ہو گئے۔ کسی نے ان سے کہا کہ یہ شیخ نسک کی نذر سے پھر جانے کا حشر ہے۔ انہوں نے اصل نذر بیع سوزاؤ بکریوں کے شیخ نسک کو بطور نذرانہ پیش کی۔ تب جا کر وہ قحط ختم ہو گیا۔ بچھڑے گاٹیوں سے اور لیلے بکریوں سے مل گئے۔

(۳) روایت ہے کہ شیخ نسک تور دررک میں تھے۔ بونیر کے لوگوں نے تین بار ان کا جھونپڑا بنایا۔ صبح کے وقت اس کی چھت گرمی ہوئی ہوتی تھی۔ انہوں نے اس کی دہر پوچھی۔ شیخ نسک نے فرمایا ”جن مرض کوڑھ میں مبتلا ہیں وہ میرے پاس التجارے کر آئے۔ میں نے ان کو اپنے جھونپڑے کے خس و خاشاک جلا کر دھواں کرنے کی اجازت دی تاکہ اس مرض سے شفا پائیں۔

(۴) روایت ہے شیخ نسک بونیر میں تور دررک کے مقام پر قیام پذیر تھے۔ ایک پہاڑی کے دامن میں ایک چشمے کے کنارے پر بیٹھے رہتے تھے اور کھان کے گرد جمع ہوتے تھے۔ تو سچا تو نے یہ حال دیکھا۔ گاؤں آئے اور یہ حال بیان کیا۔ لوگوں سے کہا کہ جا کر اس شخص کا حال معلوم کریں کہ شہرہوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ جب وہاں گئے تو دیکھا کہ شیخ نسک وہیں چشمے کے کنارے لیٹے ہیں اور شہرہاں موجود نہیں۔

(۵) روایت ہے کہ شیخ نسک ٹیسری سے روانہ ہو پیر پوئی کے مقام پر قیام کیا۔ ان کا ایک گھوڑا تھا۔ اس کو بیچنے کے لئے پشاور روانہ ہوئے جب نوشہرہ کے قریب پہنچے تو گھوڑے نے ان سے کہا ”اے نسک مجھے

مت بچو۔ آپ کو ساتویں دن دنیائے فانی سے جانا ہے۔ آپ کا جنازہ میرے اوپر لایا جائیگا۔“ براقونہ بہ دتا چیری لیکن داسا د جی بی مریم چہ دیشہ ششی ہغہ داسا پہ ما ولد۔“ شیخ نسک نے یہ درخواست قبول کی۔ ساتویں دن دارالفناء سے دارالبقاء کی طرف کوچ فرمایا شیخ نسک کا جنازہ اسی گھوڑے پر رکھا گیا۔ جوں ہی جنازہ قبرستان پہنچ گیا گھوڑا غائب ہو گیا۔

۶۱ روایت ہے کہ شیخ نسک نے فرمایا۔ ”جس کسی کو کوئی حاجت پیش آجائے وہ سات عدد تک خیل اپنے مہمان بلائے۔ اپنے حال کے مطابق نذر مانے حق تعالیٰ اسکی ہر مراد پوری فرمادے گا۔“

شیخ حسن کتاب ”مناقب زین الدین“ میں یہ نام شیخ حسن افغان ساکن شیدو لکھا ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صاحب کتاب نے ”حسن“ نام کے دو بزرگوں کو آپس میں غلط ملط کر دیا ہے۔ شیخ حسن افغان بہت پہلے گزرے ہیں۔ جو شیخ بہاؤ الدین فکریا ملتانی کے مرید تھے۔ ”تاریخ مرصع میں ان کا ذکر غرضی قوم کے مشائخ میں کیا گیا ہے۔ بہر حال صحیح حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ شیخ حسن شیخ نسک کے بڑے بھائی تھے۔ جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔“

اس لئے میں ان کی فاتحہ نہیں پڑھ سکتا۔“ واللہ اعلم۔

پیر سبک کے والد شاہ ابا بکر کا مزار اقدس خوست میں ہے اگرچہ موضع پیراں کے ملک شیر بادشاہ ابن ملک تلاوت شاہ مرحوم کا بیان ہے کہ شاہ ابا بکر

موضع بیت الغریب میں دفن ہیں۔ پیر زین الدین کے مقبرے کے باہر ایک قبر ان کی بتائی جاتی ہے۔ اس روایت کے مطابق بہادر خان بابا حضرت پیر سبک کی بجائے ان کے والد ماجد سید ابا بکر کو ساتھ لائے تھے اور پھر وہ یہیں بیت الغریب میں فوت ہو گئے۔ لیکن بوجہ صحیح روایت نزد حقیقت یہی معلوم ہوتی ہے کہ شاہ ابا بکر کا مزار خوست ہی میں ہے۔ واللہ اعلم

والدہ ماجدہ سیدنا پیر سبک کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی بی بی حلیمہ تھا۔ جو آفریدی قبیلے کی قنبر خیل شاخ سے تعلق رکھتی

تھیں اور موضع میدان کی رہنے والی تھیں۔

سید شاہ ابا بکر کی دو بیویاں تھیں۔ دوسری بیوی کا نام نورجان تھا۔ وہ خوست کی رہنے والی تھی۔ خان خیل قوم سے تھیں۔ ان کے بطن سے شاہ ابا بکر کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ پیر امر یا عمرو اور منصور علی یا شاہ منصور

بھائی اب تک جتنے شجرے بھی ملے ہیں ان میں پیر سبک کے صرف دو بھائیوں کا ذکر ہے۔ پیر امر (یا عمرو) اور پیر منصور (یا منصور شاہ) یہ دونوں پیر سبک کے سوتیلے بھائی تھے۔ عقاب خٹک صاحب نے بعض شجروں کے حوالے سے لکھا ہے کہ پیر سبک کے چھ بھائی تھے۔ وہ پیر چالاک اور ابر کے نام زائد بتاتے ہیں۔

پیر امیر یا عمرو
پیر سبک کے بڑے بھائی تھے۔ ان کی اولاد علائقہ کنڑ یا کنہار ملک افغانستان میں آباد بیان کی جاتی ہے۔

ایک شجرے میں ان کی اولاد کی ایک شاخ کا شجرہ یوں درج ہے:-
حنیف شاہ ابن اسلم شاہ ابن محمد غوث ابن میاں نور
ابن پیر بلال ابن سید جلال ابن پیر شاہ ابن پیر عمر
سادات بلخ ذیل بھی حضرت پیر عمر کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کی ایک شاخ پیر درہ موضع اڑھڑ پاپاں ضلع پشاور میں آباد ہے

شاہ منصور
پیر سبک کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کی اولاد میں سے پیر سید جمال شاہ غوث سے چل کر کوہاٹ کے موضع جنگل خیل

میں آباد ہوئے۔ ان کی اولاد "منصور خیل" کے نام سے مشہور ہے۔ پیر سید جمال شاہ کا مزار شریف کوہاٹ کے پورانے سول ہسپتال کے باہر ہے۔ شاہ منصور بھی غوثیت میں دفن ہیں۔ پیر سید نور جمال شاہ المعروف ڈور بابا کے مقبرے کے اندر ایک دور قبران کے ایک خلیفہ اور بابائے کی بیان کی جاتی ہے پیر خیلوں کے ایک بزرگ کی زیارت زیارت ملاخوش شمال نیکہ کے نام سے کوہاٹ میں ایک پہاڑی پڑاوتج ہے (رفضان بجاول)

زیارت پرنور جمال شاہ) اس خاندان کے تین افراد سید بادشاہ، حاجی محی الدین اور کوئل (ریاڑ) اور شاہ سے میری خط و کتابت ہوئی۔ اس سلسلے میں میں اپنے کم فرماؤں جناب سید سلطان بادشاہ پیر خیل اور جناب ایوب صاحب کا مشکور ہوں جن کے ذریعے سے مجھے ان مندوجہ بالا حضرات کا تعاون حاصل ہوا۔

جنگل خیل کوہاٹ میں تین خاندان آباد ہیں۔ شہزادی منصور خیل، پیر خیل کوہاٹ ڈسٹرکٹ گزیٹیئر کے مصنف نے پیر خیلوں کو پیر تاریکی (پیر روشن) کی اولاد بتایا ہے۔ منصور خیلوں کو پیر خیل کی ایک شاخ لکھا ہے۔ صاحب صاحب نے پیر قاموس شاہ ایڈوکیٹ پیر خیل کے حوالے سے لکھا ہے "پیر خیل سید جلال الدین بخاری کی اولاد ہیں۔ بعد کے ناموں میں سید ابوبکر اور ان کے بیٹے سید عمر کے نام آتے ہیں۔ سید عمر کے تین بیٹے تھے:-

(۱) منصور (جو سوتلا تھا)

(۲) پیر حسن (جن کی اولاد میں سلطان بادشاہ وغیرہ شامل ہیں)

(۳) منصور شاہ (جو پیر خیلوں کا جدِ مجدد ہے)

سید منصور شاہ کے دو بیٹے تھے:- پیر روح اللہ۔ پیر مطیع اللہ۔

The soids of Pir Khol and Mansur Khol are said to be descended from the Pir Tarikhi mentioned in Major James' settlement report of the Pashawan District. Pir Tarikhi had at one time a great following among the Khattaks. There are now no acknowledged members of of the Sect remaining. Page 69-70 of Gazetteer of Kohat District (1883-4)

شاعر پیر مطیع نیکہ کا تعلق پیر خیل قبیلے سے ہے (ایوب صاحب)

پیر خیل ابھی دو بزرگوں سے پھیلے ہیں جبکہ ایک اور شجرہ نسب میں پیر مطیع اللہ
 وغیرہ کے والد کا نام "پیر کانیتن" درج ہے۔ افسوس ہے کہ مجھے پیر خیلوں کا
 شجرہ ہاتھ نہ آسکا۔ منصور خیلوں کے جو شجرے مجھے ملے ہیں وہ اولاد پیر پاک
 کے شجروں سے ملتے ہیں اور ان میں چنداں فرق نہیں ہے۔ اس لئے یقیناً منصور خیل
 پیر پاک کے بھائی شاہ منصور کی اولاد سے ہیں۔ پیر خیل کے متعلق وثوق سے
 کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ روشانی تحریک کے ختم ہونے
 کے بعد مثل بادشاہوں نے پیروشان کی اولاد کو ہندوستان کے مختلف حصوں
 میں جاگیریں دیں۔ یہ عین ممکن ہے کہ چونکہ پیروشان کے خلاف آنا شدید
 پراپیگنڈہ ہو چکا تھا کہ عام لوگوں کی نظر میں اس کے عقائد ناقابل برداشت تھے اسلئے
 شاید اس کی اولاد نے بھی اس کے ساتھ رشتہ توڑ دیا ہو اور دیگر آستانہ دار گھرانوں سے
 گھل مل گئے ہوں۔

خوشحال خان کے ایک شعر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ منصور کے ماننے والے
 روشانیوں کے سخت مخالف تھے اور ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ مشقت بہ گریبان
 رہے۔ ملاحظہ ہو۔

تاسھی شاہ عیسانی سورہ بہ جنگ دو رو بنانی پیر منصور سورہ بہ دارنگ دو
 پیر سید بادشاہ منصور خیل کا شجرہ نسب یوں ہے :-

سید بادشاہ ابن مانگ شاہ ابن سید سلان شاہ ابن بہادر شاہ
 ابن بلے شاہ ابن سید عبداللہ شاہ ابن سید حسن شاہ ابن سید جمال شاہ
 ابن پیر شاہ منصور ابن سید عمر شاہ ابن سید ابوبکر۔

مگر تمل (ریٹائرڈ) اور شاہ نے سید قمر الدین منصور خیل کا شجرہ بھیجے جو یوں ہے
 گلاب دین دمیضار الدین ابن لائے قمر الدین ابن شاہ نواز ابن پیر مبارز
 ابن عبدالواحد ابن سید حسن ابن سید یعقوب ابن سید توغان شاہ ابن پیر جمال
 ابن شاہ منصور ابن سید عمر ابن سید ابوبکر۔

منصور خیلوں کے ان شجروں میں سید عمر کو شاہ منصور کا باپ لکھا گیا ہے
 جبکہ پیر پاک کیوں کے شجرے کے مطابق وہ شاہ منصور کا بھائی تھا۔

قدوة المشائخ پیر چالاک
 اخوند درویشہ نے اپنی کتاب "تذکرہ"
 میں پیر چالاک کو پیر عمر کا بھائی لکھا

ہے اور ان دونوں کو جنگ افغانوں کا پیر بتایا ہے۔ تلامش الدین نے اپنی
 تصنیف "مناقب شیخ رحیمکار" میں پیر چالاک کو روشانی لکھا ہے اور "مناقب
 فقیر صاحب" سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پیر چالاک کو اسی خاندان میں سے سمجھتے
 تھے۔ میرے پاس جتنے شجرے ہیں ان میں ان کا نام نہیں ہے۔ البتہ چالاک خیلوں
 کا جو شجرہ میرے ہاتھ لگا ہے اس میں شجرہ تقریباً گیارہ پشتوں تک پیر پاک کیوں
 سے ملتا ہے۔ اس لئے اغلب خیال یہی ہے کہ پیر چالاک پیر پاک کے بھائی تھے
 ان کی اولاد آج کل موضع پیر خیل علاقہ لکی ضلع بنوں میں آباد ہے۔ آستانہ دار
 گھرانہ ہے اور ضلع بنوں کے کئی دیہات میں ان کو بوجہ پیری مریدی "سیری" ملے
 ہیں۔ ان کے آباء و اجداد کے مزارات پر خاص دعائیں مانگتے جاتے ہیں۔
 ان کی اولاد کے بقول پیر چالاک کا مزار مبارک بنجارا میں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا
 ہے کہ وہ واپس بنجارا چلے گئے تھے۔ ان کی اولاد کے متعلق مشہور ہے کہ جس کسی

کو کوئی حاجت پیش آجائے وہ نو افراد چالاک خیل اور ایک میراثی کو اپنے گھر لے جاتے ہیں۔ ان سے ہاتھ اٹھواتے ہیں۔ حق جل شانہ اس آدمی کی مراد پوری کر دیتا ہے۔ پیر چالاک کا اسم خاص معلوم نہ ہو سکا۔ شجروں میں بھی ان کا نام یوں ہی لکھا گیا ہے لیکن "سبک" کی طرح "چالاک" یا پشتو رسم الخط میں "خالاک" ان کا عرفی نام معلوم ہوتا ہے۔ پستتو سخوا میں چالاک، خالاک یا سالاک کے نام سے تین مشہور تاریخی شخصیتیں گزری ہیں اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ ان میں سے دو کے بھائیوں کا نام بھی "سبک" ہے۔

اب ہم چالاک کے معنی کے بارے میں اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں۔ جناب یوسف سلیم چشتی اپنی تالیف "شرح جاوید نامہ" میں لکھتے ہیں :-
"مجاہدہ کی بددلت سالاک میں چار خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں :

(۱) وہ حرص و ہوا (میں شیطانی) سے پاک ہو جاتا ہے۔ (پاک)

(ب) اس میں استقامت پیدا ہو جاتی ہے۔ (محکم)

(ج) عروج روحانی کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ (ستیا)

(د) اس کی داعی قوتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ (چالاک)

ان خوبیوں کی بددلت وہ عالم ناسوت کو طے کر کے عالم لاہوت میں پرواز کرنے لگتا ہے اور فرشتوں کے مقام سے اور حیرت الفردوس سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ فنا فی الرسول ہو جاتا ہے۔ اور جب اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔

اس خیال کی تائید ان تین بزرگوں کے حالات زندگی اور مدارج سلوک پڑھنے کے بعد بھی ہوتی ہے۔

اب ہم باقی دو بزرگوں کے حالات کا مختصر ذکر کرتے ہیں جو چالاک کے نام سے مشہور و معروف تھے۔

اخوند چالاک مشہور عالم، غازی اور فقیر تھے۔ کئی کتابوں میں ان کا ذکر آیا ہے۔ ان کو تلامذہ کابل گرام بھی کہتے ہیں تحفۃ الاولیاء، مناقب فقیر جمیل بیگ اور تاریخ مرصع میں ان کا ذکر آیا ہے جو مختصراً یوں ہے :-

وہ طوغہ کے رہنے والے تھے اور طوغہ اصل میں ترین افغان ہیں۔ ان کے والد علاؤ خلک میں مقیم تھے اور وہیں ان کی زیارت ہے۔ اخوند صاحب بہا کو خان کے عہد میں علاؤ یوسف زئی جا کر غازیوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوا کرتے تھے اور سلسلہ جہاد کی وجہ سے یہ علاؤ ان کو پسند آیا۔

"تذکرہ شیخ رحکار" میں لکھا ہے۔ اخوند چالاک اصل میں ملک ترکستان کے ایک صاحب الملک و جاہلاد بزرگ تھے۔ ترک وطن کر کے اخوند پنجوہ سکھ اکبر پورہ کے مل آئے۔ کچھ مدت وہاں رہے۔ شمالی کوہستان ابا سین کے کفار سے جہاد کا ارادہ کیا۔ اخوند پنجوہ نے دعا اور امداد کے لئے کا صاحب کے پاس بھیجا اور کا صاحب نے انہیں شیخ جمیل بیگ (مرید خاص کا صاحب) کے پاس روانہ کیا۔ شیخ جمیل بیگ سے مالی امداد لے کر علاؤ صوابی پہنچے۔ بہا کو خان یوسف زئی سرداران کے ساتھ ہو گیا اور علاؤ بکلی، الاٹی، نندیارہ اور

کوہستان چیلان تک کافروں کو شکست دی اور وہاں دین اسلام کو پھیلا یا۔
 انہوں سالاک نے اسی علاقہ کے مقام کابل گرام میں وفات پائی اور وہیں
 ان کا مزار ہے۔ عبدالحلیم اثر صاحب نے ایک جگہ ان کا سن وفات ۶۷-۱۰۶ھ اور
 دوسری جگہ ۱۰۷۵ھ لکھا ہے۔ انہوں سالاک صاحب تصنیف بزرگ تھے
 جن میں فتاویٰ عربیہ، بحر الانساب غزویہ اور مناقب انہوں پنج مشہور ہیں
 ان کے ایک بھائی کا نام انہوں سالاک تھا۔ یہ بھی انہوں سنجوڑ کے مرید تھے۔ ان
 کا مزار اترس علاقہ یوسف زئی میں تپہ سدوم کے گاؤں موضع بھڑوچ سے تین
 چار میل کے فاصلے پر ہے اور موضع رستم کے شمال میں واقع ہے۔ ان کی اولاد
 موضع بھڑوچ، چیلہ کے جنگلی، کوریا، کدال اور کلائی پورن میں آباد ہے۔
 گوہر گڑھی کے میاں شاکر اللہ صاحب ان کی اولاد میں سے ہیں۔

حواشی تواریح حافظ رحمت خانی صفحہ ۸۲۶-۸۲۹ پر ان کو انہوں خیل
 پٹھان اور درانی لکھا گیا ہے۔ ان کے جد امجد کا نام طوغان درین (طوغغ) تھا
 جن کی اولاد طوغغی اور درانی سے یاد کی جاتی ہے۔ اور سجرہ بہودا بن یعقوب
 علیہ السلام سے لایا گیا ہے۔ انہوں چالاک کے لہجہ بیٹے تھے۔ صرف دو انہوں
 اشرف اور عبدالرحمن کا ذکر آیا ہے۔۔۔۔ انہوں اشرف کے سجرہ نسب میں انہوں
 چالاک کا نام اکبر شاہ بتایا گیا ہے۔

حواشی تواریح حافظ رحمت خانی میں ایک بار پھر اس غلطی کو دہرایا گیا ہے
 کہ انہوں سالاک کو پیر سالاک کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے۔ روشن خان صاحب نے
 میرے توجہ دلانے پر اس غلطی کی اصلاح کا وعدہ کیا ہے لیکن تاحال اس کتاب کی

اشاعت سوم تک یہ غلطی موجود ہے۔ اسی کتاب میں ایک اور غلطی یہ لگی ہے کہ پیر عمر
 کو پیر سالاک لکھا گیا ہے حالانکہ وہ ان کا بھائی تھا۔ یہی غلطیاں قاضی عبدالحلیم اثر
 انسانی صاحب نے اپنی کتاب ”روحانی روابط“ میں بھی کی ہیں۔ کسی کتاب میں بھی
 انہوں سالاک کا سن وفات مجھے نہیں مل سکا۔

انہوں چالاک پیر سالاک کے پوتے پیر زین الدین کے اساتذ محترم تھے۔

اوزنگ زریب، عالمگیر کے عہد حکومت کے دسویں سال

(۱۰۷۷ھ - ۱۰۷۸ھ) یوسف زئی قوم نے بغاوت کر دی

اس وقت ایک گاؤں کے قریب ایک فقیر نے عالمگیر بادشاہ کے بھائی شاہ شجاع
 ہونے کا دعویٰ کیا۔ قوم یوسف زئی تمام اس کی حمایت میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

سردار بھاگو خان اس کا ساتھی تھا۔ یہ ملا چالاک بھیرہ خوشاب کا رہنے والا
 تھا۔ (بحوالہ عالمگیر نامہ، قصۃ المشائخ اور تاریخ مرصع)

فاضل محقق کامل صاحب نے خیال ظاہر کیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ملا چالاک

اور انہوں چالاک ایک ہی شخصیت ہوں۔ لکھتے ہیں:-

”عالمگیر نامہ کے بیان کے مطابق بھاگو خان کے علاوہ ایک دوسرا شخص

ملا چالاک (جو بھیرہ خوشاب کا باشندہ بیان کیا جاتا ہے) بھی اس خروج کا

باعث تھا اور انہوں نے ایک فضول آدمی کو محمد شاہ کے لقب سے یوسف

زئیوں اور منڈر کا بادشاہ بنایا تھا۔ آیا یہ ملا چالاک اور تذکرۃ الاولیاء کا

ذکر کردہ انہوں چالاک ایک ہی ہیں؟ تذکرۃ الاولیاء میں ملا چالاک کو توغغ یا

ترین بتایا گیا ہے لیکن یہ نہ صرف ممکن ہے بلکہ قرین قیاس اور غالب دکھائی

دیتا ہے کہ کاتب کی غلطی کی وجہ سے تری (جو خشک ہی) کو ترین بنا دیا گیا ہو
 بھیرہ اور خوشاب پر خشکوں نے کئی حملے کئے تھے اور دہاں پر آباد بھی ہو گئے
 تھے۔ بلکہ آج بھی سرگودھا میں (بھیرہ اور خوشاب جس کا حصہ ہیں) پٹھان
 آباد ہیں۔ آیا عالمگیر نامہ کا محمد شاہ اور جعلی شاہ شجاع ایک ہی ہیں؟ یا
 محمد شاہ اور ملا چالاک کے بارے میں مرزا محمد کاظم کا بیان اس کی اپنی ایجاد تو
 نہیں ہے؟ مرزا کاظم شاہ شجاع کے بارے میں عمداً چوپ رہا ہے (تاریخ مصرع)
 قصۃ المشائخ میں جو سیر زین الدین کے پوتے خواجہ محمد محمود کے مناقب
 میں لکھی گئی ہے اس نقلی شاہ شجاع کا ذکر آیا ہے لیکن اس کو ملا چالاک نہیں کہا
 گیا ہے۔ ساتھ ہی اپنے دادا کے اتاد کو اخوند چالاک بتایا گیا ہے جس سے
 اس بات کا شائبہ کم ہو جاتا ہے کہ ملا چالاک اور اخوند چالاک ایک ہی شخصیت
 ہیں۔

پیرسباک کا سن ولادت باسعادت اور پچپن کے حالات

زمانہ تعلم

مولود جائے اقامت اور ابتدائی زمانہ زندگی کے بارے میں
 ہماری معلومات اب تک نہ ہونے کے برابر ہیں۔ زیادہ سے زیادہ
 ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ دسویں صدی ہجری کے اخیر میں علاقہ خوست میں جہاں ان کے
 والد المقیم تھے، پیدا ہوئے ہونگے۔ عقاب خشک نے اپنی تالیف پیرسباک میں لکھا
 ہے کہ ”پیرسباک“ لکھے پڑھے نہ تھے“ اور حوالہ اخوند درویزہ کے تذکرہ کا دیا
 ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ مجمع البرکات کی ایک عبارت ہے کہ پیرسباک نے
 شش سال (چھ سال) تک ہندوستان میں تعلیم ظاہر و باطن حاصل کی۔ اور
 بہت سارے ظاہری کمالات کے مالک ہوئے۔ تذکرہ میں کہیں بھی پیرسباک کا ذکر نہیں
 ہے۔ البتہ ان کے دو بھائیوں میر عمر اور پیر چالاک، ان کے والد شیخ ابابکر اور اجداد
 شاہ اسمعیل اور میر علی کا ذکر موجود ہے۔ ”تذکرہ“ نے پیر چالاک کو حتی اور
 مفتی اور بے علم لکھا ہے (ان الزمات کے بارے میں ہم اپنے خیالات کا
 اظہار بعد میں کریں گے)۔

یہ بات تعجب تیز ہے کہ اخوند درویزہ نے پیرسباک کا ذکر کیوں نہیں کیا
 حالانکہ وہ (پیرسباک) ”تذکرہ“ کے لکھے جانے کے وقت بقید حیات تھے اور
 اخوند درویزہ کے قریب ہی رہتے تھے لیکن اخوند صاحب صرف ان بزرگوں کے
 بارے میں لکھتے ہیں جن کو انہوں نے دیکھا تک نہیں۔ صرف سنی سائٹی باتوں پر
 اعتبار کر لیا۔ اخوند صاحب نے نہ صرف پیرسباک کا ذکر نہیں کیا بلکہ شیخ بہادر خان

بابا - کا کا صاحب - حاجی بہادر کوٹاٹی اور اخوند چخوڑ جیسے مشہور بزرگوں کا ذکر بھی تذکرہ میں موجود نہیں۔ حالانکہ یہ سب ان کے ہم عصر تھے۔

بعض محققین جن میں قاضی عبدالحلیم اثر اور ڈاکٹر محمد حنیف شامل ہیں کا خیال ہے کہ تذکرہ میں عبدالوہاب مانگر اوٹی کے نام سے حسن بزرگ کا ذکر آیا ہے۔ اس سے مراد اخوند چخوڑ بابا ہیں۔ لیکن تحفۃ الاولیاء کا درج ذیل بیان اس دعوے کی تردید کرتا ہے (صفحات ۳۹-۳۸)

کہتے ہیں کہ حضرت اخوند درویشہ جب اپنے پیر علی ترمذیؒ کے جنہوں نے ۹۹۱ھ میں وفات پائی (کی زیارت کرنے کے بعد منیر سے براستہ نشتہ پشاور آرہے تھے۔ راستے میں اکبر پورہ حضرت اخوند چخوڑ کے دیکھنے کی غرض سے تشریف لائے۔ لیکن وہ مراقبے اور استغراق کی حالت میں تھے۔ نہ چاہا کہ ان کے کام میں خلل ہوں۔ انتظار نہ کیا اور رات ہوئے جب اخوند چخوڑ کو معلوم ہوا تو اخوند صاحب کو دیکھنے کیلئے گاؤں سے باہر تشریف لائے۔ وہ کافی دور چلے گئے تھے۔ ان کی پٹھان نظر آ رہی تھی۔ بس اسی پر کٹفا کیا اور اپنی جگہ واپس ہوئے۔ مجھے تعجب ہے کہ اخوند درویشہ نے تذکرہ میں جو ۱۰۲۱ھ میں لکھی گئی کس لئے اخوند عبدالوہاب صاحب اکبر پورہ کا ذکر نہیں کیا۔ اگر یہ خیال کیا جائے۔ کہ وہ چشتی تھے۔ اور اخوند درویشہ متشرع ہوئے کی وجہ سے کہ ان میں سے اکثر اہل وجد اور سماع ہوتے ہیں۔ پرہیز کرتے تھے۔ لیکن بابا صاحب اکبر پورہ خود کمال درجے کے متشرع اور عالم تھے۔ اور انہوں نے تمام عمر دیگر حضرات چشتیہ کی طرح سماع ہرگز نہ کیا۔ اپنے جوش کو ضبط کیا۔ مستغرق رہتے تھے۔ نیز اخوند درویشہ کے پیر چشتی تھے اور اخوند صاحب نے اس طریقے میں ان

سے بیعت کی تھی۔ البتہ اخوند چخوڑ کا طریقہ صابری تھا۔ اور اخوند درویشہ کا نظامی و اللہ اعلم - (تحفۃ الاولیاء مصنف میر احمد شاہ رضوانی)

یہ بات ہم دثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ پیر سبک علاقہ نوست سے برستہ کابل یہاں آئے اور ان کے آنے کی وجہ یہ بھی کہ بہادر خان بابا نے ان کے والد شاہ ابو بکر سے درخواست کی کہ ان کے ساتھ ایک بیٹا روانہ فرمایا جاوے تاکہ اور لوگ بھی ان کے فیض سے فائدہ اٹھا سکیں۔ شاہ ابابکر نے ان کی یہ درخواست قبول کی تھی۔ اور اس طرح پیر سبک علاقہ خٹک پشاور تشریف لائے۔ پہلے پہل موضع ولٹی میں روڈ مسعود فرمایا اور بعد میں دریائے کابل کے اس پار موضع شہر صفا کو اپنے قدم مہینت لزوم سے رونق بخشی۔

حضرت شیخ سید ناصر الدین محمود المعروف پیر سبک قدس سرہ۔ آپ سلسلہ سہروردیہ میں اپنے والد بزرگوار سے مجاز طریقت اور سجادہ نشین تھے۔ آپ کے نانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جد امجد حضرت سید عمر شیر رحمۃ اللہ علیہ حضرت سید عبد اللہ ابابکر رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ اور سلسلہ طریقت میں سہروردیہ سے منسلک تھے اور آپ کی نہال کے دیگر افراد بھی سلسلہ سہروردیہ سے منسلک تھے۔ آپ نے ۹۷۶ھ مطابق ۱۵۶۷ء میں وصال فرمایا۔ مزار مبارک شمالی وزیرستان میں ہے۔ (احوال العارفین صفحہ نمبر ۵۰)

موضع ولٹی | علاقہ خٹک میں واقع ہے۔ نو شہرہ سے زیارت کا کا صاحب جانے والی سڑک کے عین وسط میں بجانب مشرق ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ علاقہ سرسبز اور باغات سے پُر ہے۔ یہاں کچھ کھنڈرات بھی پائے

جاتے ہیں جن میں مغلیہ دور کا ”زنگ نعل“ قابل دید ہے۔ اس گاؤں میں وہ باغ اب بھی موجود ہے جہاں سپیدار درخت کے تنے کے ساتھ حضرت پیر ساکؒ ٹیک لگا کر ذکر و انکار میں مشغول رہتے تھے۔

اس گاؤں کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مصنف ”تاریخ پشاور“ یوں قلم پر لٹا ہے :- ”عرصہ آٹھ پشت کا گزر رہا ہے کہ یہاں آزاد گل صاحب جن کا سلسلہ نسب تیسری پشت میں حضرت شیخ رحمکار صاحب المشہور کا صاحب سے ملتا ہے اور پیر ساکؒ صاحب بزرگاں جو اپنے زمانے کے بڑے عابد و زاہد اور ولی کامل مشہور تھے۔ مع چند فقرے ستر شہین یہاں آئے۔ چونکہ سطح زمین اس جگہ کی بیاعت روائی چشمہ ہائے کی قدرت کاملہ صانع نے بنزد خوارم اور تراکم درختاں سایہ دار نے اور بھی زیادہ مطبوع و آسائش گاہ بنا رکھا تھا۔ منازحہ طور پر چھوڑی بنا کر بقراعت دل شامل عبادت محمود ہوئے۔ سردار خوشحال خان خٹک نے جو اس زمانہ میں علاؤ خٹک کا حاکم تھا اپنی ایک لڑکی کی شادی میاں آزاد گل صاحب اور دوسری کی پیر ساکؒ صاحب کے ساتھ کر کے رقبہ دیہہ ہذا کا بوجہ دیا، بیچ ہر دو دختران کو دے دیا۔ تب ہر دو مورتان مرقومہ الصدر کچی کو بھی بنا کر یہاں ہی اقامت پذیر ہوئے رفتہ رفتہ عالم گل و حیات گل و نجم الدین و قمر الدین و عرب الدین جو میاں آزاد گل صاحب کے یکجہری تر بوز بھائی اولاد حضرت ابک صاحب والد ماجد شیخ رحمکار سے تھے موضع کلی کندوسہ درخیل سے آکر اور اصل مورتان سے محصل الماک ہو کر آباد ہوتے چلے گئے۔ بعد آبادی نام آبادی دیہہ کا بشہرت مرتبہ ولایت ہر دو مورتان ان کے ولایتی مشہور ہوا۔ تیسے گاؤں بلا تیززل

آباد اور قوم سید کا دفتر سمجھا جاتا ہے۔ تین کنڈیاں بہ تمیز اولاد مورتان حسب ذیل:
کنڈی میلاں مقبوضہ اولاد پیر ساک
کنڈی اولاد ابک صاحب۔ کنڈی اولاد آزاد گل صاحب مشہور ہیں۔

”تاریخ پشاور“ کے مندرجہ بالا بیان میں درج ذیل باتیں محل نظر ہیں :-

(۱) حضرت آزاد گل میاں لقب یہ میاں ضیاء الدین صاحب کا کا صاحب کے بیٹے تھے نہ کہ پوتے۔ ۱۷۳۳ھ میں وفات پائی۔

(۲) پیر ساکؒ اب تک کی تاریخی شہادت کے مطابق ۱۰۲۵ھ سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔ خوشحال خان نے ۱۰۳۱ھ میں شادی کی تھی اس لئے پیر ساکؒ سے ان کی بیٹی کا نکاح ناممکن بات ہے۔

(۳) پیر ساکیوں کی روایت کے مطابق موضع ڈہی پر کا کاخیلوں نے آج سے چار پانچ پشت پہلے قبضہ مخالفانہ کر لیا تھا جبکہ وہ خاندانی دشمنی کی وجہ سے زیارت کا کا صاحبؒ کے اٹھ کر ڈہی میں آباد ہو گئے تھے۔

نامور مورخ جناب بہادر شاہ ظفر کا کاخیل نے راقم الحروف کے نام اپنے خط میں ان اعتراضات پر بھی بحث کی ہے جو موضع ڈہی کے بارے میں ”تاریخ پشاور“ کے مندرجات پر کئے جاسکتے ہیں۔ لکھتے ہیں :-

”تاریخ پشاور کا جو اقتباس آپ نے دربارہ ڈہی لکھا ہے یہ ایک قابل قبول شہادت ہے اور اس میں واقعہ کی اصلیت تو موجود ہے یعنی گوپال داس کے کہانے موضع ڈہی کی وجہ تسمیہ کے بارے میں تحقیق تھی نہ کہ جناب آزاد گلؒ یا پیر ساکؒ کے بارے میں۔ ظاہر ہے یہ دونوں صاحبان ولی تو تھے ہی۔ اس لئے ان کے

قیام کے باعث اس موضع کا نام دلی ہو گیا۔

یہ بات بھی درست ہے کہ خان خوشحال خان کا داماد پیر زین الدین تھا نہ کہ جناب پیر ساک۔ اسی طرح حضرت آزاد گل صاحب کا صاحب کے بیٹے تھے نہ کہ پوتے۔ لیکن یہ ایسی خامی نہیں ہے کہ جس سے تاریخ پشاور کی شہادت شکوک ہو جائے۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ تاریخ پشاور اصل زیر بحث واقعہ کے کم از کم پانچ یا چھ پشت گزر جانے کے بعد لکھی گئی ہے اور گوپال داس کے ذرائع معلومات تو عوام الناس ہی تھے۔ اب گوپال داس کے زمانے میں اگلے زمانے کے لوگ ختم ہو چکے تھے۔ لیکن روایت کے طور پر واقعہ کی یاد پشت بہ پشت محفوظ چلی آ رہی تھی۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ پیر زین الدین کی شہرت بھی پیر ساک کے باعث تھی یعنی میرا مطلب ہے کہ جناب پیر ساک صاحب اتنی شہرت کے مالک تھے کہ کئی پشتیں گزرنے کے باوجود بھی لوگوں کے ذہن میں ان کا نام موجود تھا لیکن پیر زین الدین کی یہ حیثیت نہ تھی۔ تاریخ پشاور کے زمانے میں پیر زین الدین کا نام لوگوں کے ذہن میں موجود نہ تھا، بخلاف جناب پیر ساک کے اسی لئے انہوں نے پیر زین الدین کی جگہ پیر ساک کا نام لیا۔ تاریخ پشاور میں خوشحال خان کی بیٹی اور پیر ساک کی شادی کا جو بیان ہے عوام میں آج تک یہی بات مشہور ہے کل ہی میں نے ایک حرم اور تاریخ دان شخص سے اس بارے میں پوچھا تو اس نے بھی کہا کہ خوشحال کی ایک لڑکی حضرت گل صاحب کی اہلیہ تھی جبکہ دوسری جناب پیر ساک کی۔ پھر اس میں گوپال داس کا کیا قصور ہے اور چونکہ گوپال داس کے سامنے اور کوئی تحویری شہادت موجود نہ تھی اس نے عوام کی زبانی شہادت پر اعتماد کر لیا اور پانچ چھ پشت بعد والی نسل سے صرف یہی توقع ہو سکتی

ہے اور اسی پر جناب آزاد گل صاحب کا معاملہ بھی قیاس کر سکتے ہیں۔ ویسے دوسری کی جگہ تیسری پشت لکھنا محرر کی غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ "مزید ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں۔" تاریخ پشاور نے موضع دلی اور کا کاخیلوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ خوشحال خان کی بیٹی آزاد گل بابا سے بی بی گئی تھی اور اس نے اپنی بیٹی کے بہن میں موضع دلی دیا ہو گا۔ یہ بھی درست ہے کہ بعد کے زمانے میں کا کاخیلوں کے کچھ گھرانے دشمنی کے باعث موضع دلی میں آباد ہوئے لیکن موضع دلی میں ایسے کا کاخیلوں کی بھی جائیداد ہے جو زیارت میں آباد ہیں اور ان کی دشمنی نہ تھی۔

پاپامیاں صاحب برہن الدین اور شمس الدین کے خاندان میں ہیں..... اور دشمنی ان کے خاندان کی تھی۔ ویسے بھی اگر غور کیا جائے تو پاپامیاں صاحب نے چار پانچ پشت پہلے تو آزاد گل بابا ہی ہو سکتے ہیں اس لئے قبضہ مخالفانہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت رحکار کا صاحب کی نوں پشت میں ہوں تو آج سے ایک سو بیس سال پہلے تو یہی پانچ پشتیں گزر چکی ہوں گی۔

تاریخ پشاور اور ظفر صاحب کے بیانات کے بعد میں اپنی معروضات پیش کرتا ہوں۔

(۱) اپنی خاندانی تاریخ اور روایات پر نظر رکھتے ہوئے میں صرف اتنا کہوں گا کہ اب تک ہمارے خاندان میں ایک غیر سید خاتون سے شادی کو معیوب سمجھا جاتا تھا بلکہ فوت ہو جانے کے بعد اس خاتون کی بی بی کو الگ قبرستان میں دفنایا جاتا تھا جیسے کہ اوج شریف میں آج تک ہوتا ہے۔ ایسے ہی غیر سیدہ کی اولاد ان افراد سے

م حضرت میں کم تر سمجھی جاتی ہے جو تیدہ سے ہوں۔ اس لئے میں نے آج تک لپتے خاندان کے کسی بزرگ سے یہ روایت نہیں سنی اور نہ ہی کسی شجرے میں اس بات کا تذکرہ ملتا ہے کہ پیر زین الدین، خوشحال خان خٹک کے داماد تھے جس کی وجہ یہی ہے جو بیان کی گئی۔ ویسے جہاں تک دہلی میں پیر ساکیوں کی جائیداد کا تعلق ہے تو اس میں سے کچھ آج بھی موجود ہے۔ موضع دہلی پر پیر ساکی، پیر زین الدین کے زمانے سے ہی انہیں بلکہ اس سے پہلے ہی قابض تھے۔ دہلی میں پیر ساک کا ایک باغ تھا جو اب نعیم شاہ پیر ساکی کے قبضے میں ہے۔

پیر ساکیوں کی روایت کے مطابق کاکاخیلوں نے پاپامیاں صاحب کے زمانے ہی میں موضع دہلی پر قبضہ مخالفانہ کر لیا تھا جو آج سے چار پانچ پشت ہی پہلے گزرے ہیں۔ آج تو صرف یہ کہ پاپامیاں صاحب کی اولاد کے علاوہ دیگر کاکاخیلوں کا موضع دہلی میں حصہ ہے بلکہ ان کے علاوہ ایک بابا کی اولاد بھی وہاں پر قابض ہے، جبکہ پیر ساکیوں کا حصہ وہاں برائے نام ہی رہ گیا ہے۔ دیگر زمینوں پر اور لوگوں نے دھوکے سے، زبردستی یا خرید کر قبضہ کر لیا ہے۔

جہاں تک تقویمی حساب کا تعلق ہے تو خوشحال خان کی بیٹی کا پیر زین الدین سے ہی نکاح ہو سکتا ہے اور یہ ۱۰۷۴ھ اور ۱۰۷۶ھ کے درمیانی عرصے کا واقعہ ہے جب خوشحال خان خٹک دہلی میں اور بعد میں رتھمپور میں خٹوں کی قید میں تھے جیسے ان کے ایک شجرے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی بیٹیاں اسی زمانے میں بیاہ گئیں۔ ادھر ہم پیر زین الدین کے تاریخی زمانے کا تعین قطعیت کے ساتھ نہیں کر سکتے لیکن پیر ساکیا کے ایک شجرے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پہلے اخوند خاں اور بعد میں یونس گیلانی کے شاگرد

رہے۔ اخوند خاں ۱۰۷۵ھ (بعض روایات میں ۱۰۶۷ھ) اور یونس خاں ۱۰۵۹ھ میں فوت ہوئے۔ پیر زین الدین نے یونس خاں کے پاس اپنے علم ظاہری کے آخری اسباق کو اہت حاصل فرمایا۔ اس لئے ۱۰۷۴ھ تا ۱۰۷۶ھ ان کی شادی کے لئے موزوں مدت تھی۔ شجروں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ پیر زین الدین نے اپنی زندگی میں پانچ شادیاں کی تھیں۔ گمان یہ ہے کہ یا تو محمد علی شاہ اور شاہ نجم الدین کی ماں خوشحال خان کی بیٹی تھیں یا محمد سعید المعروف مسعود شاہ اور سعد الدین کی والدہ محترمہ۔ واللہ اعلم۔

شہر صفحا

پیر ساک گاؤں کا پرانا نام ہے۔ دلہ زاک قبیلے کی ملکیت تھا اس قبیلے کو یوسف زینوں نے منغل بادشاہوں کی امداد سے نکال

باہر کر دیا۔ یہ ۲۵۔۔ ۱۵۳۰ء (۵۲۔ ۹۲۷ھ) کا زمانہ تھا۔ اس کے بعد یہ علاقہ

دیران اور خجیر پڑا تھا۔ مثل حقیقت پیر ساک میں لکھا ہے کہ یہ علاقہ پیر صاحب کو شہنشاہ اکبر نے بلا عطاء سند دیا تھا۔ لیکن "قصۃ المشائخ" اور مناقب زین الدین میں شہنشاہ جہانگیر کا نام لکھا ہوا ہے۔ مثل حقیقت کے مقابلے میں قصۃ المشائخ کا بیان اس کے قدیم تر ہونے کے سبب زیادہ قابل اعتبار ہے۔ تاریخی لحاظ سے

اکبر بادشاہ کا دور حکومت ۹۶۴ھ تا ۱۰۱۴ھ (مطابق ۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء) زمانے پر محیط ہے۔ اب تاریخ ہند کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اکبر نے کابل ۹۹۳ھ (۱۵۸۵ء) میں فتح کیا اور سرحدی قبائل اور پیرودشان کی سرکوبی کے لئے ۹۹۳ھ ہی میں اس علاقے میں وارد ہوا اور ۱۰۰۱ھ (۱۵۹۳ء) تک منغل قوہیں یہاں پر برسر پیکار رہیں۔ ملک اکو کو بھی ۹۹۴ھ (۱۵۸۶ء) میں جاگیر ملی۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ملک اکو پیر ساک کی خدمت میں آیا جایا کرتے تھے اور ان کی دعا سے

ان کی پریشان حالی اور سیاہ بختی جاتی رہی۔ ان روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پیرساک ۹۹۴ھ (۱۵۸۶ء) سے پہلے ہی اس علاقہ میں وارد ہو چکے تھے لیکن ہو سکتا ہے کہ جاگیر ان کو بعد میں ملی ہو۔

پیرساک اور شہنشاہ جہانگیر کا مکالمہ آپ پہلے ہی سن چکے ہیں۔ جہانگیر نے ان کو جو جاگیر دی تھی اس کی حدود جو ”مناقب زین الدین“ کے ایک حاشیے میں دیئے گئے ہیں وہ یوں ہیں:۔ ”بابا کے گاؤں سے لے کر نگر کوٹ گاؤں تک اور مصری بانڈے کے پہاڑ سے لے کر کلیانی تک“ لیکن یہاں پر جہانگیر بادشاہ کی بجائے اورنگ زیب کا ذکر ہے جو غلط ہے۔ لکھا ہے۔ ”بادشاہ اورنگ زیب نے ان کے (زین الدین) کے دادا حضرت پیرساک قدس اللہ کو وجہ معاش اور بطور انعام دیا تھا۔ نیز اور بھی کئی گاؤں دیئے تھے جیسے پیر بابا کا گاؤں (یہاں موضع پیران یا بیت العزیز مراد ہے)

بعد کے زمانے میں فرخ سیر (۱۱۷۲ھ) کی دی ہوئی سند میں اس جاگیر کی حدود جو فرمائروایان سلف کی طرف سے پیرساک کی اولاد کو دی گئی تھی درج ذیل ہیں: ”غریبانالہ کالا پانی (کلیانی) شرقاً آب باریک (نری اوبہ) اور زرہ میانہ کے حدود جو سرمدال کی آبادی تک پہنچتے ہیں شمالاً بانڈہ اور جو عالم گنج کے گدر (گھاٹ) تک پہنچتا ہے اور جنوباً دریائے کابل“

پیرساک نے شہر صفاکے مغربی حصے میں صرف ایک مسجد بنائی تھی جو آج بھی ”باباجی حیات“ کے نام سے مشہور ہے۔ باقی موضع ویران تھا۔ ایک قبیلے سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیرساک کی وفات کے بعد ان کے بیٹے اور جانشین پیر فرید الدین

نے پہلی بار اس گاؤں کو آباد کرنے کے لئے درخواست دی اور نئی آبادی ”پیرساک“ کے نام سے مشہور ہو گئی۔

باباجی کی مسجد میں ایک ستون کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے آپ مکہ معظمہ سے واپسی پر ساتھ لائے تھے۔ اسی مسجد میں ایک بڑا پتھر بھی پڑا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دن آپ عبادت کر رہے تھے کہ جنات نے آپ کی توجہ ہٹانے کے لئے آپ پر اس پتھر کا وار کیا۔ اسی پتھر پر مجھ کو آپ درس دیا کرتے تھے۔

کوہ خلوت | موضع پیرساک کے مشرق کی طرف ایک پہاڑی کا نام ہے پیرساک اس پہاڑی پر خلوت میں رہا کرتے تھے۔ اسی پہاڑی کے مشرقی دھلوان میں ”رحیمی غار“ ہے جس میں آپ بعد اپنے ایک عزیز ”رحیم زاد“

کے عبادت کیا کرتے تھے۔ پیر صاحب کی برکت سے اسی غار میں پانی نکلتا تھا جو وضو اور پینے کے کام آتا تھا۔ پیتے میں یہ پانی بیحد میٹھا شیرین اور صاف و شفاف تھا اور دن رات جاری رہتا تھا۔

خلفاء و متشرذین | پیرساک کے بے شمار خلفاء و متشرذین کے ساتھ اس علاقے میں تشریف لائے۔ ان کے خلفاء میں شیخ عبدالرحیم المعروف شیخ میاں جی صاحب مشہور و معروف ہیں میران باصفا میں ملک اکو۔ کا صاحب۔ رحیم داد اور سردھی مینڈو خیل کے اسماء گرامی کتب تواریخ میں ملتے ہیں۔ ہم انشاء اللہ ان سب بزرگ سہتیوں کے حالات زندگی اور پیرساک کے ساتھ ان کے تعلق پر بحث کریں گے۔

رحیم داد

پیر بابک کے تادم خاص تھے۔ تہ وقت ان کے ساتھ ذکر و عبادت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ کوہ خلوت میں واقع غار رحیمی اپنی کے نام سے مشہور ہے۔ نیک، قانع اور ضعیف سلیم کے مالک تھے۔ موضع بیت الغریب کے جنوب مغرب کی طرف اس مقام پر جہاں پانی کا ہیڈ ہے اور جہاں سے نوشہرہ چھاؤنی کے لئے ہنر نکلتی ہے۔ ایک قبر ہے۔ لوگ زیارت اور دعا کے لئے وہاں جاتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ شیخ رحیم داد کی نشست گاہ تھی (راوی نعیم شاہ پیر بابک)

غامش بود آن رحیم داد سلیم بود نیک و قانع و طبع سلیم
در میاں کوہ غار است اے رفیق بر رحیمی غار مشہور اے شفیق
خادم و مخدوم در یکجا بہم در ریاضات خدای بود غم
کوہ شد مشہور خلوت بعد از ان قریہ شد آباد بے باد خزاں

ملک اکو

مشہور افغان شاعر، صاحب سیف و قلم خوشحال خان خٹک کا پردادا تھا۔ اکبر بادشاہ کے زمانہ میں ۱۵۸۶ء میں پشاور سے انگ جانے والی شاہراہ کی حفاظت کی ذمہ داری اس کے حوالے کی گئی تاکہ اسے یوسف زئی اور دیگر قبیلوں کے حملوں سے محفوظ رکھ سکے۔ ساتھ ہی اسے اس سرک پر چونگی وصول کرنے کا اختیار بھی دیا گیا۔ ملک اکو کو جو جاگیر دی گئی تھی اس کی حدیں اس مقام سے جہاں بابا انگ کا پل ہے، سے چند میل کے فاصلے سے شروع ہو کر موجودہ نوشہرہ چھاؤنی تک پھیلی ہوئی تھیں۔ چھوڑے ہی دنوں میں ملک اکو نے اپنے نام سے دریا کے دائیں کنارے پر ایک ڈھلوان میدان میں اکوڑہ نام کی بستی کی بنیاد رکھی۔ بعد میں وہ بولاق خشکوں کے ساتھ ٹڑتا ہوا

پیر بابک گاؤں میں مارا گیا۔

ان کا حال کتاب "مناقب زین الدین" میں یوں مرقوم ہے:-

"کہتے ہیں اکوڑہ ایک مصیبت زدہ اور ناچار افغان تھا۔ ہمیشہ پیر بابک قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت کیا کرتا تھا۔ آپ ان بڑے مہربان تھے۔ آپ کی خدمت کی برکت سے چند گائیوں کا مالک بنا اور وجہ معاش حاصل کی۔ ایک دن ایک گائے آپ کی زندگی۔ آپ نے قبول فرمائی اور ان کے حق میں دعا فرمائی۔ ساتھ ہی فرمایا جاؤ اور سرک کے کنارے اپنا مسکن بنا کر رہو۔ اللہ تعالیٰ کا فضل تمہارے شامل حال ہوگا۔ اکوڑہ نے آنحضرت کے کہے پر عمل کیا۔ کچھ ہی عرصے میں گاؤں آباد ہوا اور اکوڑہ کے نام پر مشہور ہوا، جو بڑھتے بڑھتے شہر بن گیا اور چیکہ ۱۱۴۶ھ سے تمام خشک پٹھانوں کی سرداری اکوڑہ کی اولاد کے پاس ہے جو بحال اور برقرار ہے ان کی حکومت تین دن اور تین رات کی مسافت ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ دو لاکھ آدمیوں پر ان کا حکم چلتا ہے۔ ان کی جاگیر کا بل صوبے کے آدھے کے برابر ہے۔"

یہ واقعہ قصتہ المشائخ سے لیا گیا ہے۔

تاریخی حقیقت یہ ہے کہ ملک اکو کو اکثر تاریخی کتب میں ملک اکوڑہ لکھا گیا ہے جیسے کہ "حواشی تواریخ حافظ رحمت خانی"۔ "سردار لکھنوی" "دی سٹیشن" اور تذکرہ شیخ رحیم کار "ذریعہ۔ ملک اکو اس وقت چند آدمیوں کے ہمراہ انگ کے جنوب مغرب کے ایک پہاڑ میں قیام کر رہا تھا (جو موضع دہلی کے قریب ہے) اس کی بیچارگی اور پریشانی تو اسی سے ظاہر ہوتی ہے کہ قبیلے کے افراد نے اسے موضع ٹیری سے نکال دیا تھا اور وہ تو وہ، اس کے قبیلے خٹک کا ذکر بھی اس سے

پہلے سنے میں نہیں آتا۔

پیرساک کے پوتے زین الدین کے بارے میں مؤلف تاریخ مرصع لکھتے ہیں:
 ”خصوصاً داد پیرخان د مومبرخانہ وادہ پیران دی“ منقر ۴۶۶
 (خصوصاً اس پیر کے بیٹے ہمارے خاندان کے پیر میں) اس بیان سے پتہ چلتا ہے
 کہ ملک اکو کا خاندان پہلے ہی سے پیرساک کے خاندانی مرید تھے۔ جہاں تک
 کا کا صاحب کے بزرگوں کے ساتھ ان کے سلسلہ ارادت کا تعلق ہے تو یہ خوشحال
 خان تنگ کے باپ شہباز خان کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔ ویسے بھی یہ کوئی
 ناممکن یا بری بات نہیں کہ کئی آستانہ دار خاندانوں سے ان کا سلسلہ ارادت ہو۔
 اس سلسلے میں محترم عقاب تنگ کے اعترافات بے معنی ہیں۔

شیخ عبدالرحیم المعروف میانجی صاحب | مشہور و معروف بزرگ
 گزرے ہیں۔ موضع شوکی

ضلع کوٹ میں ان کا مزار پرانوار واقع ہے۔ لوگ دور دور سے ان کی زیارت
 کے لئے آتے ہیں۔ ان کی اولاد ”میانجی خیل“ کہلاتی ہے۔ مشہور آستانہ ہے۔ علاقہ
 تنگ اور مروت میں ان کے بے شمار مرید ہیں۔ ان کی زیادہ تر آبادی موصفات
 شکر درہ، شوکی، شنوگڑھی خیل، ڈم کلہ (ضلع کوٹ) اور چھیری (ضلع میانوالی)
 میں ہے۔ پیر صاحب معصوم شاہ ایڈوکیٹ اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

”مناقب پیر زین الدین“ میں کتاب ”قصۃ المشائخ“ کے حوالے سے ان
 کے جو خوارق، عادات، مناقب اور حالات لکھے ہیں وہ درج ذیل ہیں:-

”شیخ عبدالرحیم صاحب کرامات ظاہری و باطنی تھے۔ حضرت سید محمود
 المعروف پیرساک کے خلفاء میں سے ایک تھے۔ وہ حضرت پیرساک کی خدمت
 بطریق احسن سرانجام دیتے تھے۔ پہلے پہل پانی لانے کے کام پر مامور تھے۔
 رفتہ رفتہ پیرساک کی نظر عنایت بڑھتی گئی۔ نگہ چلانے کا کام اور اس طرح کے اور
 کام ان کے حوالے ہوئے اور پستی سے فلک الافلاک کی طرف ترقی کی۔ پیرساک
 نے اسے ارشاد و بدیت دیے گی اجازت دی تو وہ حضرت دہاں سے رخصت ہو
 کر دو پہاڑیوں کے درمیان وادی میں علاقہ تنگ کے ایک گاؤں ”شوکی“ میں
 قیام پذیر ہوئے۔ چند دنوں کے بعد دو تین گڈریوں نے انہیں دہاں دیکھا۔ جب
 قریب گئے تو دیکھا کہ ایک خوش شکل شریف اور نیک انسان ہیں۔ حضرت سے ان
 کو پتہ پوچھا۔ تمام ماجرا اور سرگزشت سن کر ان چرواہوں کی حضرت سے عقیدت بڑھ
 گئی۔ چرواہے جب دو تین گھر سے غائب رہے تو ان کے عزیز و اقارب کو ان کی نکل
 لاحق ہو گئی۔ ان کی تلاش میں نکلے۔ دیکھا کہ ایک روشن ہمیر بزرگ کے ساتھ بیٹھے ہیں
 اور یاد خدا اور رسول برحق میں مشغول ہیں۔ نور حق کے دیکھنے میں محو ہیں۔ عزیز
 و اقارب نے یہ واقعہ دیکھا اور چرواہوں کو گھر جانے پر مجبور کرنے لگے لیکن انہوں
 نے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور سجدہ روئے۔ رشتہ داروں نے ان کو ان
 کے حال پر پھوپڑ دیا اور چلے گئے۔

لے پیر معصوم شاہ مع اپنے ایک فرزند ڈاکٹر محرم شاہ ۱۹۸۳ء میں کار کے
 ایک حادثہ میں جان بحق ہوئے۔

کچھ عرصہ کے بعد ان کے نیک اثرات تمام علاقہ خشک میں پھیل گئے۔ علاقہ ساغری، شکر وہ، بھنگلی خیل سے لے کر سینی خشک کے علاقے خرم تک ان کی شہرت پھیل گئی۔ لاجپور ڈیرہ سے لوگ ان کی زیارت کے لئے آئے لگے۔ دعا مانگتے اور اپنے ساتھ لے جانے کی دعوت دیتے مگر وہ انکار کر دیتے کہ اس جگہ سے بہتر جگہ کوئی نہیں۔ میں اسی جگہ جینا اور مرنا چاہتا ہوں۔ اس جگہ کے مالک نے ان کی خواہش پر یہ جگہ ان کی ملکیت میں دے دی کیونکہ وہ فرماتے تھے کہ اس قطعہ زمین کے بخشے جانے کے بغیر میری عبادت فضول اور نامقبول ہے۔ بعد میں انہوں نے وہاں مکانات، نگر خانہ، مسجد اور خلوت خانہ بنایا۔ وہ دراصل گرگری کے نزدیک ماہی خیل نامی گاؤں کے رہنے والے تھے جو زائرہ قدیم سے ایک نیک اور صاحب حال نیکش کی اولاد ہیں جن کا نام 'ماہی' تھا۔ کثرت استعمال سے غلط طور پر ماہی سے 'میاہی' مشہور ہو گیا۔

شیخ میاہی صاحب کے بارے میں اب تک میرے علم میں جو معلومات آئی ہیں وہ درج ذیل ہیں:-

(۱) حضرت عبدالرحیم صاحب موسوم بہ میاں جی صاحب حضرت پیرساک کے بیٹے تھے۔ یہ میاہی خیلوں کا اپنا دعویٰ ہے۔ "مثل حقیقت" موضع شوکی میں بھی لکھا ہے کہ "عبدالرحیم صاحب موضع پیرساک سے تشریف لائے۔ وہ کچھ عرصہ حاجی بہادر صاحب کو ماہی کے پاس بھی مقیم رہے۔" ان کا شجرہ جو میرے ہاتھ میں ہے وہ بھی معمولی ردوبدل کے ساتھ اولاد پیرساک کے دیگر شجروں سے ملتا جلتا

ہے۔ شہر ملی کے پیر خاں شاہ صاحب میاں جی خیل جو عرصہ دو سال ہوا ہو گئے ہیں، کا شجرہ یوں ہے:-

پیر خاں شاہ بن پیر میرک شاہ بن غلام حسن شاہ بن شاہ حسین شاہ بن شاہ شاہ بن پیر شراف شاہ بن شراف شاہ بن پناہ بن سید عبدالرحیم شاہ بن پیر محمود شاہ بن پیر شاہ بن سید ابوبکر شاہ بن سید اعلیٰ بن سید میر علی بن سید امیر کلان بن سید امیر قلندر بن سید امیر سلیمان بن سید امیر قطب الدین بن میر سلطان بن عبدالرحمن بن میر احمد بن شمس الدین بن سید امیر حمید الدین بن مخدوم جہانیں جہاں گشت۔ اس شجرے میں محمود شاہ کے عرفی نام پیرساک کو ان کا والد لکھا گیا ہے۔

(۲) "قصۃ الشائخ" کے مصنف اس بات کی شد و مد سے توجیہ کرتے ہیں کہ عبدالرحیم حضرت پیرساک کے بیٹے ہیں اور اسے تبادلاً نسل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میاہی صاحب حضرت پیرساک کے خدام میں سے تھے جن کے ذمے نگر کا کام تھا۔ بعد میں ارشاد و بیعت کی اجازت ملی اور موضع شوکی میں آباد ہوئے۔ دراصل گرگری کے قریب "ماہی" نامی گاؤں کے ایک نیک نیکش بزرگ کی اولاد میں سے ہیں۔

(۳) قاضی عبدالعلیم اثر افغانی نے بھی سادات شوکی کے متعلق راقم الحروف کے ایک خط کے جواب میں "تواریخ صحیح الانساب" کا حوالہ دیا۔ لکھتے ہیں:-

"پیر خاکیا نٹری۔ پیر گیا نٹری۔ پیر چوڑی۔ پیر گمانٹری۔ اس چہار بلاد بودند۔ یک در تل بلند خیل۔ دوئم در ملک غریبہ۔ سوئم در قریب شوکی۔ چہارم در کوٹ ماندند۔"

اس بیان میں پیر جلال شری کے نام سے بحث کا ایک نیا موضوع سامنے آجاتا ہے۔ وہ یہ کہ جبرائیل درحقیقت حسنی سادات کا خاندان ہے۔ اگر ان چار بھائیوں میں سے ایک جبرائیل ہی ہے اور وہ حسنی سید ہے تو باقی تین بھی سنی سید ثابت ہو جاتے ہیں۔ جبرائیل سادات حضرت میر قاسم جبرائیل ابن ابوطاہر ابن محمد مابہ ابن موسیٰ ثانی ابن عبداللہ صالح ابن موسیٰ الجون ابن عبداللہ المحض ابن حسن شمشائی ابن امام حسن ابن امیرالمؤمنین علی ابن ابیطالب کرم اللہ وجہہ کی اولاد میں سے ہیں۔ یہ ایک بڑا خاندان ہے۔ علاقہ جات خوست، تیزاہ، اور کزئی، جنوبی وزیرستان، نورٹ ٹڈمین اور صوبہ سرحد کے اضلاع میں پھیلا ہوا ہے۔

(۶) مفتی صاحب سیاح الدین کا کاخیل نے میاں عبدالرحیم صاحب شہور بہ میاں جی گل صاحب کو شیخ رحیمکار کا صاحب کے خلفاء و مشرکین میں سے لکھا ہے۔ چنانچہ اپنی تالیف ”تذکرہ شیخ رحیمکار“ میں لکھتے ہیں:-

”میاں عبدالرحیم صاحب شہور بہ میانجی گل صاحب بخاری سادات میں سے تھے۔ بچوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ اس لئے میاں جی صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ کہا جاتا ہے کہ پہلے حاجی بہادر صاحب کو ہاٹی سے تعلق تھا۔ پھر بعد میں حضرت کا صاحب کے حلقہ سادات میں داخل ہوئے۔ بقوڑے عرصہ میں راہ سلوک کی منزل میں طے کیں اور خلافت حاصل کی۔ آپ کا مزار شوکی میں ہے جو کوہاٹ میں لاجپ سے ٹکروہ جانے والی سڑک پر لاجپ سے ۹ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ضلع کوہاٹ کے اکثر علاقوں کے لوگ خصوصاً سانگری اور ہنگلی خیل آپ کے نہایت متفقہ اور مرید ہیں۔ مزار پر اکثر لوگ جاتے ہیں۔ آپ کی اولاد شوکی میں اور اس کے علاوہ ٹکروہ اور بعض دوسرے دیہات

میں موجود ہے اور پیر صاحبان کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ لوگ ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

حضرت عبدالرحیم صاحب المعروف میاں جی صاحب کے بارے میں اب تک میری تحقیق یہ ہے کہ وہ افغان مشائخ کے اس خاندان جلیلہ سے تعلق رکھتے تھے جس میں حاجی بہادر صاحب کو ہاٹی بھی پیدا ہوئے۔ اپنے وقت کے تین جلیل القدر مشائخ یعنی پیر سبک، حاجی بہادر صاحب اور کا صاحب کے ساتھ ان کا تعلق رہا۔ پیر سبک نے بھی سادات بلند خیل کو اپنا عزیز کہا تھا اور ان ہی کے پاس دفن ہونے کی وصیت کی تھی اور تواریخ مجمع الانساب کے لکھے کے مطابق سادات شوکی اور بلند خیل آپس میں ہم جد ہیں۔ اسی طرح حضور غوث الاعظم شیخ عبدالقادر بیلانی کے جد امجد سید ابی ذکر موسیٰ ثانی کا مزار پُرانوار سمرقند میں ہے۔ ان کے فرزند بخارا میں رہے۔ اسی طرح لاتعداد حسنی سادات کے خاندان ہیں جن کے آباء و اجداد بخارا میں رہ چکے ہیں بخاری کہلاتے ہیں۔ اس لحاظ سے مفتی صاحب سیاح الدین نے میانجی صاحب کو جو بخاری سید لکھا ہے وہ صحیح ہے۔

آج کل میانجی خیل قوم کے افراد بھی اپنا شجرہ نسب زبانی طور پر حاجی بہادر صاحب کو ہاٹی کے اجداد سے ملاتے ہیں۔ اگرچہ جو تحریری شجرہ میرے ہاتھ لگا ہے اس میں سلسلہ نسب حضرت پیر سبک سے ہی ملایا گیا ہے۔

کتاب ”قصۃ المشائخ“ میں گورگی کے قریب میانجی نامی جس گاؤں کا ذکر آیا ہے وہاں سادات کا ایک خاندان آباد ہے جو حاجی سید قمر الدین کی اولاد میں سے ہیں۔ یہ خاندان کسی زمانے میں بلوچستان کے شہر شہین میں قیام پذیر

رہ چکے اور آج بھی اس قبیلے کے بعض افراد وہاں مقیم ہیں۔

شیخ رحمکار حضرت کا کا صاحب رحمۃ اللہ علیہ صوبہ سرحد کے ان اولیاء نامدار میں سے ہیں جن کی شہرت آفتاب نصف النہار کی طرح عیاں ہیں۔ ان کی اولاد کا کا خلیل کہلاتی ہے۔

کا کا صاحب یکم رمضان المبارک کی رات کو ۱۹۸۳ھ میں پیدا ہوئے۔ جناب عقاب خشک نے سن پیدائش ۱۹۸۱ھ لکھا ہے۔ محترم اشراف خانی صاحب نے اپنی تالیف ”روحانی روابط“ میں حضرت کا کا صاحب پر جو مقالہ لکھا ہے اس کے آغاز میں کا کا صاحب کی تاریخ پیدائش ۱۹۸۳ھ دی ہے جبکہ بعد میں یہی تاریخ ۱۹۸۱ھ بھی لکھی ہے ۱۹۷۶ھ میں اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد ارشادِ بعیت کی گدبجی پر متمکن ہوئے۔ تاریخ وفات ۲۴ رجب ۱۴۰۳ھ بروز جمعہ المبارک ہے۔

”قصۃ المشائخ“ میں لکھا ہے، ”حضرت پیر سبک رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے مرید تھے جیسے کہ شیخ رحمکار رحمۃ اللہ علیہ جن کی قبر مبارک علاقہ قنگ

میں ہے۔ کامل اور کمل پیر تھے۔ یہ اصحاب پیر سبک میں سے ایک ہیں“

اب ہم اس بحث کی طرف آتے ہیں کہ کیا کا کا صاحب حضرت پیر سبک کے مرید تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت کا کا صاحب نے اپنی حیات مبارک میں کسی کو بھی اپنے

پیر سبک کے متعلق نہیں بتایا۔ یہاں تک کہ اپنے فرزندوں اور مریدانِ خاص کو بھی نہیں بتایا۔ چونکہ حضرت کا کا صاحب حضرت پیر سبک سے ملنے کئی دفعہ موضع دہلی اور موضع پیر سبک گئے اس لئے ان دو بزرگوں کی وفات کے بعد پیر سبک کی اولاد اور ان کے خاص مرید سلسلہ یہ دعویٰ کرتے رہے کہ کا کا صاحب پیر سبک کے مرید تھے جبکہ کا کا خلیل اس بات کو اپنی امانت تصور کرتے تھے اس لئے ان کی اولاد اور مرید ہر بار اس کی شہود سے ترمذید کرتے رہے۔ اب ہم تاریخ اور مناقب کی کتابوں کے حوالے سے یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ ان دو بزرگوں کے درمیان تعلقات کی نوعیت کس قسم کی تھی۔

مراقبات رحمکار خواجہ انخوند اسمعیلؒ کی تصنیف ہے جن کی زیارت موضع چارباغ سابق ریاست سوات میں ہے۔ عالم

اور مؤلف تھے۔ ”مراقبات رحمکار“ کے نام سے فارسی نثر میں اپنے پیر کے مناقب لکھے ہیں جن میں دو نظمیں انخوند صاحب کے بیٹے اسمعیل کی بھی ہیں۔ انخوند اسمعیل فارسی زبان کے بہترین شاعر اور نثر نگار تھے۔ کتاب کاسن تصنیف ۱۰۷۹ھ سے ۱۰۸۶ھ کے درمیان ہے۔ یہ کا کا صاحب کے مناقب کی ریکے پرانی اور مستند کتاب ہے۔ اس میں حضرت پیر سبک سے کا کا صاحب کے دو دفعہ ملنے کا ذکر ہے۔ ایک

مراقبات رحمکار کی وجہ تصنیف یہ ہے کہ شہباز خان خشک (متوفی ۱۰۵۰ھ) نے مصنف کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس لحاظ سے تو کتاب کاسن تصنیف ۱۰۵۰ء سے پہلے تصنیف ہو جاتا ہے (چراغ)

ملاقات کا ذکر کا صاحب کے مرید خاص شیخ حسن بیگ کے تولد سے تفصیلاً درج ہے
شیخ حسن بیگ کا صاحب کی وفات ۱۰۲۳ھ کے بعد بھی زندہ تھے۔

(۱) پہلی ملاقات موضع دہلی میں ہوئی تھی۔ پیر ساک؟ سپیدار کے ایک درخت کے
تنے کے ساتھ تکیہ فرما تھے۔ بہتر یہ ہے کہ انہوں نے اسمعیل کے اپنے قلم سے اس
ملاقات کا حال درج کیا جائے :-

” نقل است کہ شیخ عبدالرحیم کرکے از مریدان آن حضرت است بہ دعوت
اتماس نمود۔ آنحضرت یہ طریق سنن کہ اجابت دعوت سنت است، اجابت فرمود
چوں از آن طرف عثمان عزیمت بہ صوب دولت خانہ معطوف داشتہ برلشیتہ کی الحال
محل قدس آن گنج اسرار الہی است رسید، عثمان فرس را باز کشید۔ دو خود زمانے توقف
در زید۔ با شیخ حسن بیگ اتمان خیل، کہ یکے از مریدان آنحضرت بود، بہ زبان صدق
جریان تقریریں مقاولہ فرمود کہ میں خیر خواہ خلایق بہ شرف اقدام یوئی پیر و دستگیر
نمود حضرت پیر ساک در دہلی کہ باغ آن پیر بود، مشرف پیر بزرگوار بہ تنہ درخت
سپیدار تکیہ زدہ نشستہ بود۔ آن درخت بہ زبان حال چہیزے بہ پیر عرض سے نمود
عالم سیر و الحقیقات دانائے راز است کہ پیر عرض تنہ درخت، کہ بہ زبان بے
زبانی اظہار سے کرد، بہ گوش ہوش در سے آوردیاند۔ زمین میں اپنی لپٹہ بلند کہ
در این لپٹی واقع است۔ مرا ہم اظہار سے کند بہ گوش ہوش۔

شیخ حسن بیگ گفت کہ من در محل سوال تا دم و بہ عرض رسانیدم کہ از آن
گفتہ و عرض پیر و ازین فرمودہ دستگیر مرا، سچ واضح و مبرورن ز گشت۔ آن حضرت
مرا بہ ہر دو جواب نمود و کامیاب ساخت کہ تنہ آن درخت سپیدار، مجرد از

علائق بار، بہ پیر بزرگوار بہ زبان برگ بے گفت را میں اسرار اظہار سے نمود کہ چوں
پیر بہ تنہ این درخت تکیہ در حال حیات نمود۔ حق تقدس و تعالیٰ ز کمال کرم
در سین وفات از تنہ این درخت صندوق تریب اش ارزانی فرمود و ازین مبارک
ہاں پیر بہ این قائم بے نوا بار داد و سورد۔

آخر الامرات تنہ ہاں درخت سپیدار تابوت آن بزرگوار شد۔ و این زمین
پست پشتہ کہ در اس ارتفاع یا شمال است بہ اس مقال بہتر تم بہ زبان حال
است کہ بہ مدفن آن حضرت ہمیں پشتہ لپٹ رفت فلک اعظم خواہد یافت۔“

(تہ جہاں) روایت ہے کہ شیخ عبدالرحیم نے جو آن حضرت کے مریدوں میں
سے تھے کھانے کی دعوت دی۔ آن حضرت نے سنت کے طریقہ کے مطابق کپہ
دعوت کا قبول کرنا سنت سے، دعوت قبول کر لی۔ جب وہاں سے واپس گھر
تشریف لارہے تھے تو اس جگہ جہاں آج اس اللہ تعالیٰ کے اسرار کے خزانے
کا مدفن ہے (جہاں آپ دفن ہیں) گھوڑے کے لگام کو کھینچ لیا اور کچھ دیر
توقف فرمایا۔ اس کے بعد شیخ حسن بیگ اتمان خیل سے جو آنحضرت کے مریدوں
میں سے تھے، اس زبان سے جو ہمیشہ سچ بولتی تھی یوں فرمایا۔ ”یہ خیر خواہ خلایق
(یعنی کا صاحب) دہلی میں ہو کہ اس پیر کا باغ تھا، اپنے پیر و دستگیر پیر ساک کی
کی قدمبوی کے شرف سے مشرف تھا۔ پیر بزرگوار ایک سپیدار کے درخت کے تنے
سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ وہ درخت حال کی زبان سے کوئی بات پیر صاحب سے
عرض کر رہا تھا۔ رازوں اور خفیہ باتوں کا جاننے والا ہی اس راز سے آگاہ ہے کہ
وہ پیر اس درخت کے تنے کے راز کو جو وہ بہ زبان بے زبانی کہہ رہا تھا ہوش

کے کانوں سے سن رہا تھا یا کہ نہ۔ اس اونچے ٹیلے کی زمین جو کہ اس سستی میں واقع ہے مجھے بھی ہوش کے کانوں سے سن رہی ہے۔

شیخ حسن بیگ نے کہا کہ میں نے پوچھنا چاہا اور عرض کیا کہ اس کہنے اور پیر کے عرض اور دیگر کے فرمانے سے مجھ پر کچھ واضح نہ ہوا۔ آنحضرت نے مجھے ان دونوں سوالوں کے جواب سے خوش و خرم کر دیا۔ فرمایا کہ سپیدار کے درخت کا تنہ جو کہ تعلقات اور کھینٹوں کے بوجھ سے آزاد ہے، پیر بزرگوار کو بتانا الفاظ کی زبان سے یہ راز بتلا رہا تھا کہ چونکہ پیر نے بحالت زندگی اس درخت کے تنے سے ٹیک لگایا، اللہ جل شانہ نے اپنے کمال کمزور سے وفات کے وقت اس درخت کے تنے سے ان کی تربت کا صندوق نختا ہے اور اس پیر کے جد مبارک کے طفیل اس خشک پیٹر (درخت) کو میوہ دار اور سود مند بنایا۔

آخر الامراسی سپیدار کے درخت کے تنے سے ان کے لئے تابوت بنایا گیا اور اس ٹیلے کی زمین مترنم زبان حال سے کہہ رہی ہے کہ آنحضرت کے مدفن ہونے کے طفیل اس سستی کی زمین فلک اعظم کی بلندی کو پہنچ جائے گی۔

”مراقات رحمکار“ میں دوسری ملاقات دریائے کابل کے اس پار موضع پیرساک میں ہونی بیان کی گئی ہے۔ اصل عبارت یوں ہے :-

”انقل است کہ روزے اس حضرت جہت ملاقات پیرساک توجہ فرمودہ عازم گردید۔ چوں بہ دریائے آب کابل رسید۔“

(توجہ) روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت پیرساک سے ملنے کی غرض سے

روانہ ہوئے۔ جب دریائے کابل کے کنارے پہنچے۔

۲، مناقب شیخ حجتی صاحب | کا کا صاحب کے فرزند شیخ عبدالحلیم کی تصنیف ہے۔ ۹۳ھ میں لکھی گئی۔

شیخ عبدالحلیم جنہیں ”فرزند دانشمند“ سپین بابا اور صاحب ہندوستان بھی کہا جاتا ہے ۱۲۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۲ سال کی عمر میں ۹۳ھ میں فوت ہوئے۔ ”مقامات قطبیہ اور مقامات قدسیہ“ فارسی زبان میں آپ کی تصنیف ہے جس میں حضرت شیخ رحمکار کے کچھ فضائل و مناقب اور حالات و سوانح بھی ہیں اور آپ کے مقامات و مراتب عالیہ کا ذکر بھی ہے۔ اس کے ساتھ تصوف و سلوک کے مسائل بھی شامل ہیں۔ ۱۳۱۸ھ میں ابو اسد اللہ میاں بہت اللہ مرحوم کا کاشیل نے پہلی دفعہ اس کو طبع کر کے شائع کیا ہے۔ جناب عقاب خشک اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

”بہت اللہ خان کا کاشیل نے جو کتاب ”مقامات قطبیہ اور مقامات

قدسیہ“ کے نام سے چھاپی ہے۔ اس کا پہلا حصہ صفحہ ۱ تا ۱۷۲ یہ

کتاب اور بقایا بہت اللہ خان کی اپنی تصنیف ہے۔ اکثر مشائخ بہت اللہ

خان کی تصنیف کو بھی عبدالحلیم کی تحریر سمجھتے ہیں۔“

عبدالحلیم صاحب پیرساک سے حضرت شیخ رحمکار کے سعیت یا ارادت کا دار

انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

” اور بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمارے شیخ حضرت شیخ المشائخ

قدس سرہ ایک مرتبہ سبکی پیر کو دیکھنے گیا تھا، پس یہ ارادت کی نشانی ہے

اور اس فقیر نے آنحضرت کے کئی مریدوں سے پوچھا ہے۔ انہوں نے منطور

نہ کیا اور اس بات کو غلط بتلایا اور آنحضرت پیرساک کی مدح کی کوئی

بات اس فقیر اور دوسرے مریدوں کے سامنے ہرگز بیچ نہیں نہ لاتے تھے اور اگر کبھی بزرگوں کی مدح کرتے تھے تو آغاز اپنے باپ شیخ بہادر خان قدس اللہ سرہ کی مدح سے کرتے اور بہت کچھ کہہ جاتے اور کا کا صاحبؒ جب اپنے باپ کا نام لیتے تھے تو ادب کے طریقے پر لیتے تھے اور انہیں ”دیشیتے“ یعنی بیچ بولنے والا کہتے تھے اور اگر کبھی پیر ساک کا نام لیتے تھے تو خٹک قوم کے کہنے کے مطابق لیتے تھے جو خٹک اوس کے بعض لوگ اسے ساکی پیر کہتے تھے۔

اور شاہی فقیر (فقیر جمیل بیگ) سے منقول ہے کہ جب میں ابتدائے حال میں اپنے شیخ کی قدسوسوی سے مشرف ہوا تو کچھ مدت کے بعد پیر ساک کے خاندان والوں نے کہا کہ آنحضرت پیر ساک کے مریدوں میں سے تھے اس لئے میں ان کی طرف مائل ہوا۔ اس کے بعد جب میں آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ میں ایک دن ساکی پیر کو دیکھنے گیا۔ جب میری نظر اس پر پڑی تو دیکھتے ہی ساکی پیر اٹھا اور وہ میرے پاس آ گیا اور قص کیا اور سماع میں آیا، یا ہوا۔ ان کے رک جانے کے بعد اس گاؤں کے ایک شخص نے مجھے بلایا اور ضیافت دی اور گائے ذبح کی آنحضرت نے پیر ساک کی شان میں کہا کہ وہ اچھے لوگ تھے ایک دوسرے سے حسد نہیں کرتے تھے پس شاہی فقیر نے کہا کہ میں تحقیق جان گیا کہ آنحضرت پیر ساک کے مرید نہ تھے۔ جھوٹ تھا۔“

(علمی نسخہ، مقامات قطبیہ - صفحہ ۲۳۰)

”مقامات قطبیہ“ کے اصل الفاظ یوں ہیں :-

”بعض مردم پندارند کہ حضرت شیخ المشائخ شیخنا قدس سرہ کی مرتبہ برودت ساکی پیر رفتہ بود۔ پس اس علامت ارادت است و اس فقیر از اکثر اصحاب حضرت ایشان تفتیش کردہ منظور نہ داشت و اس قول بہ غلط و خطا نسبت کردہ اند۔ حضرت ایشان اصلاً چیزیے از مدح پیر ساکی بہ پیش اس فقیر و مریدان در میان نیادوے و اگر از مدح بزرگان گفتے از مدح پدر خود حضرت شیخ بہادر خان قدس سرہ آغاز نمودے..... الخ و چون احیاناً نام پیر ساک یاد میکردندے بہ رم نقطہ اوس خٹک یاد میکرد کہ بعض اوس خٹک اور ”ساکی پیر“ خواندے۔ و از شاہی فقیر منقول است کہ چون در ابتدائے حال بقدم لوسی حضرت شیخ المشائخ شینتہ قدس سرہ مشرف شدم۔ بعد از مدتے خاندان پیر ساک گفتند کہ حضرت شیخ المشائخ از مریدان پیر ساک است۔ پس من طرف ایشان مائل شدم۔ بعد از ان چون بحضرت ایشان حاضر شدم بزبان مبارک خود فرمود۔ یک روز بدین ساکی پیر رفتہ بودم۔ چون نظر من بدو افتاد بجزو دیدن ساکی پیر بجزارت۔ تو اجد نمود قص کرد و در سماع آمد باشد بعد از قرار او یک شخص در ان دہ مرا طلبانید و ضیافت کرد و مادہ گاؤ ذبح کرد و حضرت ایشان در شان پیر ساک گفت کہ ان خلق نیک بود۔ حسد در میان نیادوے۔“

پس شاہی فقیر گفت کہ من تحقیق دانستم کہ حضرت شیخ المشائخ

مرید پیر سبک نیست انترابود۔

(قلمی نسخہ، مقامات قطبیہ - صفحہ ۲۳۰)

یہی عبدالحلیم آگے چل کر اسی کتاب کے صفحہ ۲۳۲ پر لکھتے ہیں:-
 ”و نیز یک مرید از مریدان خاص حضرت ایشاں گفت کہ یک مرتبہ حضرت
 ایشاں گفت کہ یک مرتبہ حضرت شیخ المشائخ شیخنا قدس سرہ بہ یک جا
 رفتہ بود چون نیز دیک زمین رسید کہ ہنوز جائے قیوم نہ متبرک ایشاں
 است گفت کہ در موضع ولئی سبکی پیر ایک باغ بود و در آں باغ
 درختاں پیدا بود۔ و بسببیکہ از آں درختاں پیدا سبکی پیر ہمیشہ
 در آں باغ نکیہ برودے نشست و آں پیدا ہر روز اوراے گفت
 کہ من تا بوقت جنازہ تو شوم پس بعد از فوت درحلت او آں پیدا
 تا بوقت جنازہ او شد بہ طل برود آں جا دفن کرد۔ و سبکی پیر آں کلام
 یا دانست و باں عالم بود یا نئے دانست سے بے خبر و مایاں را ہم قبر
 آواز سے کند و میگوید کہ جائے تو در من است۔ و مایاں نے دائم و نئے فہم
 پس یقین است کہ ایں ز شکستگی نفس خود گفتم است۔ والا آواز
 آں درخت پیدا و آواز آں زمین کہ بقبر حضرت ایشاں است۔ گوش
 سرا و کشوف بود و حقیقت آں اورا معلوم و مفہوم بودے دانست
 تا برآں بہ طریق ایما و افر نمود۔“

مندرجہ بالا بیان ”مراقبات رحکار“ کے بیان کی صلے بازگشت ہے جب
 کا کا صاحب پیر سبک سے موضع ولئی میں لے گئے تھے۔ نیز اس بیان سے یہ بھی ثابت

ہوتا ہے کہ کا کا صاحب حضرت پیر سبک سے تین بار ملے تھے۔ اور عبدالحلیم بابا کے
 اس بیان سے کہ: ”یک مرتبہ برویت سبکی پیر رفتہ بود“ سے یہ مطلب لیا جاسکتا
 ہے کہ یہ ان کئی ملاقاتوں میں سے ایک ہے کیونکہ اس کی وضاحت آگے جا کر خود ہی ہوجاتی ہے۔
 (۳) ”مناقب زین الدین“ مصنفہ فضل حسین ولد عبد الصمدانی میں کتاب ”قصتہ
 المشائخ“ کے حوالے سے لکھا ہے:-

”حضرت پیر سبک رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے مرید تھے جیسے
 کہ شیخ رحکار رحمۃ اللہ علیہ جن کی قبر مبارک علاقہ خشک میں ہے اور کال
 اور کمل پیر تھے۔ یہ پیر سبک کے صحابہ میں سے ایک ہیں۔“
 لیکن آگے چل کر ”مناقب و خوراک و عادات و ناہیا و حقیقت حضرت شیخ
 رحکار قدس اللہ تعالیٰ سرہ“ کے عنوان سے لکھتے ہیں:-

”اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شیخ رحکار کے پیر طریقت پیر سبک
 رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اس وجہ سے کہ حضرت جیو رحمۃ اللہ علیہ ان کی زیارت
 کے لئے ان کی صحبت میں جایا کرتے تھے اور آنحضرت کا بہت ادب اور
 عزت کرتے تھے اور میں نے جتنی بھی اس بات کی جستجو اور تلاش کی ہے
 دو باتوں سے پوچھا ہے کسی نے منظور نہ کیا اور اس بات کو خطا قرار دیتے
 ہیں اور صحیح یہ ہے کہ شیخ جیو صاحب جو حضرت کا ادب اور لحاظ رکھتے
 تھے اس وجہ سے تھا کہ شیخ جیو صاحب کے والد شیخ بہادر خان مرید.....

(اس سے آگے کتاب کے صفحات غائب ہیں۔ غالباً یہ عبارت یوں ہے)
 اس وجہ سے تھا کہ شیخ جیو صاحب کے والد شیخ بہادر خان شیخ ابا بکر

(والہ پیرساک) کے مرید تھے۔

(۴) خواجہ ملنگ جو ایک خوشنوا شاعر اور ادیب تھے نے تقریباً اسی زمانے میں نظم میں "مناقب زین الدین" لکھے ہیں ان کے ایک شعر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ رحمکار نے پیرساک سے فیض حاصل کیا۔

رحمکار از رتبہ شان بروہ بہر باب شد علم لدنی راز شمر

(ترجمہ) رحمکار نے ان کے رتبے سے فائدہ اٹھایا۔ وہ علم ظاہری کے بغیر علم لدنی کا دروازہ نہیں۔

اپنی مناقب میں آگے چل کر وہ ایک مجلس پاک کا ذکر کرتے ہیں جن میں دیگر اعیان دین کے ساتھ شیخ رحمکار بھی پیرساک کی پاک و اعلیٰ صحبت میں تشریف فرما تھے۔

ہن چنیں نقل است از دانا شی راز کہ نشستہ بود روزے دیدہ باز

جگلی اعیان دین بنشہ بود رحمکار از جملہ شاں پوستر بود

(ترجمہ) دانا یان راز سے یوں نقل ہے کہ وہ صاحب کشف ایک دن بیٹھیا تھا۔ دین کے ستون اور سبھی بیٹھے تھے۔ رحمکار ان کے ساتھ شامل تھا۔

(۵) تذکرہ شیخ رحمکار "سفتی بیاح الدین کا کاخیل، صد جمعیت اتحاد

العلماء اور کن اسلامی نظریاتی کونسل آف پاکستان کی تصنیف ہے جو پہلی بار ۱۹۵۱ء

اور دوبارہ ۱۹۶۴ء میں چھپی۔ اسی کتاب میں "اولیا عصر اور ان سے آپ کی ملاقاتیں"

کے عنوان سے پیرساک سے حضرت کا کا صاحب کی دو ملاقاتوں کا حال یوں درج ہے:-

"آپ کے عصر سے کچھ زمانہ پہلے کے مشہور بزرگوں میں سے سید سباق"

صاحب بھی تھے جو پیرساق کے نام سے مشہور ہیں۔ والد ماجد کی وفات

کے بعد جو اتنی ہی کے زمانہ میں حضرت شیخ رحمکار دو دفعہ سید سباق کی

ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ ان کے پاس بیٹھے گفتگو کی اور

واپس ہوئے۔ (مجمع البرکات، صفحہ ۳۹۵)

اس سے پہلے وہ اسی کتاب میں مجمع البرکات کے حوالے سے لکھتے ہیں:-

"صاحب مجمع البرکات نے بھی تہات تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اسی

تربیت کے علاوہ آپ نے صرف والد بزرگوار سے بیعت کی ہے اور دوسرے

مشاخ کرام سے اگرچہ صحبت کی ہے، ملاقاتیں کی ہیں لیکن بیعت و

استفاضہ نہیں کیا۔"

اس سے آگے چل کر وہ کا کا صاحب کے بیٹے عبدالحلیم کے حوالے سے ان (کا کا

صاحب) اپنے والد سے سلسلہ سہروردیہ میں بیعت لکھتے ہیں۔ اگرچہ اصل عبارت میں

یہ عبدالحلیم صاحب کا محض گمان ہے کہ کا کا صاحب سلسلہ سہروردیہ میں اپنے والد ماجد سے

بیعت تھے۔ شیخ عبدالحلیم فرماتے ہیں:-

"واذ قول حضرت ایشان نشینہ ام لیکن از آداب و مدح بسیار و در متن

بسنوئے مزار پر انوار او بجا طرے رسد کہ بطریقہ سلسلہ سہروردیہ از جانب

پدر خود شیخ بہادر ہم نسبتہ دارد۔"

(ترجمہ) میں نے آنحضرت کی زبانی نہیں سنا لیکن چونکہ وہ اپنے والد ماجد کی سید مدح

و توصیف کرتے اور اکثر ان کے مزار پر انوار پر چایا کرتے تھے اسلئے دل میں یہ خیال

آتا ہے کہ وہ سلسلہ سہروردیہ میں اپنے والد شیخ بہادر سے بھی نسبت رکھتے ہیں۔

سرفراز خان عقاب خٹک نے ۱۹۶۴ء میں کا کا صاحب

کے نام سے جو کتاب لکھی ہے اس میں آپ کے دو استاد

(۶) کا کا صاحب

بتلائے گئے ہیں (۱) شیخ اویں (۲) پیرساک۔ ساتھ ہی لکھا ہے: مشہور بزرگ گزرا ہے۔ ان کے مستند حالات لکھ رہا ہوں۔ لیکن ”پیرساک“ کے نام سے اسی سال شائع ہونے والی کتاب میں وہ عبدالحلیم بابا اور شاہی فقیر کے اقوال کو قابل تسلیم اور ”قصۃ المشائخ“ کا پیر صاحب کے مریدوں میں سے صرف اکو اور کا کا صاحب کے ذکر کرنا ناقابل فہم سمجھتے ہیں۔

(۷) روحانی شہوت اور روحانی روابط :- تاحضی عبدالحلیم اثر افتخانی کی مشہور تالیف ہے جس میں مغربی پاکستان اور سابق مشرقی پاکستان کے ادیبانے کرام کے حالات اور ان کے سلسلہ طریقت کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اسی کتاب میں صفحہ ۵۶ پر بلاست کے ذکر میں جناب پیرساک اور اخون سالاک کا ذکر یوں کیا گیا ہے :-

”حضرت مولانا سالاک اور مولانا پیرساک دو بارہ روزیہ دو ادبہ قول داخوند درویشہ (تذکرۃ الابرار ص ۱۳) دوئی پہ قام تختک دو۔ مولانا سالاک پہ نوم یوکلے دقندھار پہ ارغنداب نومے علاقہ کبئی (خال) ادبیل کلے دضلع مردان پہ علاقہ بائیں غزائے کبئی داوند خور نہ مشرق طرف تہ (سالاک) نومی موجود دے۔ مزارے دا باسندھ کوہستان پہ کابل گرام کبئی دے۔ پہ ۱۰۵۰ھ کبئی وفات شویدے۔

دہا درس اخوندساک علیہ الرحمۃ دا نو نھر ضلع پینور پہ علاقہ کبئی پہ موضع ولسئی کبئی اوسیدو۔ فاضل عالم اداکامل عارف ووجہت شیخ رحماکار صاحب دوئی د صحبت نہ

فیض حاصل کورے دو۔ دوستو دنوبنہر دسندھ پہ غارہ پہ کوم کلی کبئی چہ اوسیدو ہفتہ کلے دوئی دنوم پہ مناسبت سرہ ”پیرساک“ نامہ یاد دینوری۔ مزار مبارک ئے دضلع مردان علاقہ سدھوم پہ موضع دستم کبئی دے د وفات تاریخ ئے راتہ معلوم شوے نہ دے۔“

مندرجہ بالا بیان میں فاضل محقق نے ”ساک“ اور ”چالاک (سالاک)“ نام سے معروف دو بزرگوں کے حالات کو آپس میں گڈنڈ کر دیا ہے۔ اخوند چالاک اور اخوند ساک دو بھائی تھے جن کا حال پہلے بیان کیا جا چکا ہے اور یہ عدم بزرگوارم پیرساک اور پیر چالاک سے بالکل الگ بزرگ تھے۔ اثر صاحب نے ”تذکرہ“ کا حوالہ دیا ہے اور ان دو بھائیوں کو قوم کا خشک لکھا ہے لیکن یہاں بھی انہوں نے تذکرہ کی عبارت کا غلط مطلب سمجھا ہے: ”تذکرہ“ کی اصل عبارت یوں ہے :- ”تاروزے پیر عمر و پیر چالاک ہر دو برادر از پیر افغان خشک وریں حدود دریدہ بودند“ (ترجمہ) ”ایک دن پیر عمر اور پیر چالاک دونوں بھائی جو خشک افغانوں کے پیر ہیں اس طرف آ پہنچے تھے“ اب اس عبارت سے یہ تو کہیں بھی تائید نہیں ہوتا کہ پیر عمر اور پیر چالاک نسلاً بھی خشک ہیں کیونکہ یہ بات تو ضروری نہیں کہ خشکوں کا پیر بھی لازماً خشک ہی ہوگا۔

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ اثر صاحب نے پیر عمر کو پیرساک خیال کر لیا ہے حالانکہ وہ اس کا بھائی تھا۔ اس خیال کی تائید اثر صاحب کی اسی کتاب کی ایک اور عبارت سے بھی ہوتی ہے محمد یونس گیلانی کے حالات میں لکھتے ہیں :-

”دوبیہ بی بی نے دحضرت مولانا شیخ المشائخ
محمد عمر المعروف پہ پیرساک علیہ الرحمۃ لوری بی دو۔ چہ
دھی ”بیگم“ نوم دو۔ و ضلع مردان تحصیل صوابی و موضع بومول
پیرانے د دغہ بی بی اولاد دے۔“

اس غلطی کا ارتکاب رشتین صاحب نے اپنی تصنیف ”د پینتو ادب
تاریخ“ (صفحہ ۵۶) اور جناب روشن خان نے تواریخ حافظ رحمت خانی کے
حواشی کے لکھنے کے وقت کیا ملاحظہ ہوا اس کتاب کا صفحہ ۸۲۸ -
”مخالف اور میں لکھی جانے والی مختلف کتاب کی تواریخ کا مطالعہ کرنے

کے بعد میری اپنی رائے یہ ہے کہ حضرت کا صاحب نے سلوک کے ابتدائی زمانے میں
اپنے وقت کے مشہور مشائخ کے آگے زانوئے تلمذتہ کیا۔ اسی زمانے میں انہوں نے پیر
ساک کے علاوہ اخوند خویبابا، حاجی بہادر صاحب کوہاٹی اور حضرت سید آدم پوری
کے ساتھ صحبت کی اور بزرگوں کی اس قسم کی صحبتیں فیوض و برکات سے خالی نہیں ہوتیں
اسی حمزہ خان ثنوی، حشیشی، نظامی اپنی تصنیف ”تذکرہ مستاریہ“ میں چارم کتبہ میں
کا ذکر کرتے ہیں جن میں سے ایک کو پیر صحبت، دوسرے کو پیر طریقت، تیسرے کو پیر
ارادت اور چوتھے کو پیر خلافت کہتے ہیں۔ لکھتے ہیں: ”عین ممکن ہے کہ یہ
چاروں صفات صرف ایک شخصیت میں موجود ہوں اور اسی کے ذریعے کوئی سالک
پائے تکمیل کو پہنچ جائے ورنہ انفرادی طور پر چہاڑسم کے مرشدوں سے درجہ بدرجہ تکمیل
کا کام ہوا کرتا ہے۔ (صفحہ ۳۵۹)

ہمارا بھی یہی خیال ہے کہ پیرساک، کا صاحب کے پیر صحبت تھے کیونکہ

جب کا صاحب آغاز جوانی میں تلاشِ رشد میں نکلے تو ان کی نظر سے پہلے شاہ ابابکر
کے بیٹے پوٹری جوان کے والد ماجد کے پیر طریقت تھے۔ اس کے علاوہ شاہ ابابکر
تمام قوم خشک کے پیر رہ چکے تھے اور کا صاحب بھی قوم خشک میں قیام پذیر تھے
اور بہت سے مورخین کے نزدیک خود بھی کرلانی خشک تھے۔ اس کے علاوہ پیرساک
اس وقت ان کے سب کے نزدیک بھی رہتے تھے اس لئے ان کی (کا صاحب) نظر پہلے
پہل حضرت پیرساک پر پڑی، وہ ان سے ملے، کئی بار ملاقاتیں کیں اور انکی صحبت
پاک سے فیضیاب ہوئے۔ اس سلسلے میں اولاد اور مریدان پیرساک اور کا صاحب
دونوں کی طرف سے بات کو چھپا چھپا کر بیان کرنا مناسب نہیں۔ وہ لوگ ہر قسم کے تعصب
اور حسد سے پاک تھے جیسے کہ شیخ عبدالعلیم شیخ جمیل بیگ کے حوالے سے لکھتے ہیں
”ان خلق نیک بود۔ حد درمیان یادرد۔“ اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت اپنی جگہ
پر ہے کہ کا صاحب نے طریقت، ارادت اور خلافت کسی سے بھی حاصل نہیں کی۔ وہ
اوسمی بزرگ تھے۔ یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ کا صاحب حاجی بہادر صاحب
کوہاٹی کے ماژدن تھے لیکن طریقہ یا خلافت ان سے بھی حاصل نہیں کی۔

طریقہ عالیہ بہروردیہ
پیرساک رحمۃ اللہ علیہ طریقہ عالیہ بہروردیہ
میں اپنے والد شیخ ابابکر قدس اللہ سرہ العزیز

سے بعیت تھے۔ سلسلہ بہروردیہ اس خاندان میں سید جلال الدین حسین جلال اعظم شیرشاہ
میر سرخ بخاری (ولادت ۵۹۵ھ، سن وفات ۶۹۰ھ، ہزارادس اوج شریف)
کے زمانے سے چلا آرہا ہے۔ سید جلال سرخ بخاری محمود شیخ الاسلام حضرت بہادر الحق
تسانی کے مرید تھے جو تھان میں دفن ہیں۔ کتاب ”قصۃ المشائخ“ میں درج ہے

کہ شاہِ اعلیٰ جو پیرِ پاک کے دادا تھے۔ شیخ بہاء الحق ملتانی کے گھرنے کے ایک بزرگ کے پاس ملتان میں رہتے تھے اور بعد میں انہوں نے انہیں بعیت اور ارشاد دینے کی اجازت دی۔

حضرت پیرِ پاک کی اولاد میں بعد میں کئی بزرگ گزرے ہیں جو دیگر سلسلہ یا نقشبندیہ قادریہ اور چشتیہ میں بعیت تھے ان کا ذکر بعد میں کیا جائیگا۔ آج کل اس خاندان کے زیادہ تر بزرگ چشتیہ، قادریہ اور نقشبندیہ میں بعیت ہیں، بہروردیہ سلسلہ عالیہ میں تسلاک بزرگ کا آوازہ آج کل میں نے نہیں سنا۔ ممکن ہے جو اولاد برا اور سام میں آباد ہے اس میں کوئی بہروردیہ بزرگ ہوں یا گزرے ہوں۔ واللہ اعلم۔

قطبِ دوراں غوثِ آداں زورِ پاک
گر اہل را رہنما پیرِ پاک

بت فرزندِ باکیرِ جمیل
قطبِ وقت است او ز اولادِ خلیل

قصہ کو تاہ کن پیرِ پاک
سرِ نور است بر بالائی خاک

نورِ روشن پر توئی انداختہ
بر ہر قوم خستک میتا فتنہ

(ترجمہ) زمانے کا قطب، وقت کا غوث، پاک نور ہے، مگر ابوں کا رہنما پیرِ پاک ہے۔ یہ ابو بکر کا فرزند، جسم ان کا نور بصورت ہے۔ وقت کا قطب ہے، خلیل کی اولاد سے ہے۔ قصہ مختصر، پیرِ پاک روئے زمین پر تمام نور ہے۔ ان کے چہرے کے نور نے تمام قوم خستک پر روشنی ڈالی ہے۔

کرامات و خوارق

خرقِ عادات انشا نرا طریق اسخیا و زایدات و شفیق

(خرقِ عادات (کرامات) ان کا طریقہ ہے، شفقت وائے سخی اور زاید ہیں)

اولیائے کرام اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے خوارقِ عادات اور کرامات کے ظہور کا طریقہ المہنت کے ہاں ایک مسلم عقیدہ ہے لیکن سب سے بڑی کرامت شریعتِ مقدسہ پر استقامت تھی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ حضرت پیرِ پاک کے اخلاق عالیہ، عاداتِ مبارکہ، اعمالِ حسہ اور کردارِ بلند کے منطبق لکھا جاتا لیکن قدیم کتب میں زیادہ تر زور کرامات پر دیا جاتا تھا۔ اس وقت زمانے کا مزاج ہی اس رنگ کا تھا۔ شریعت پر استقامت تو اکثر حضرات کو حاصل ہوتی۔ چند ایک مخصوص افراد سلوک کی بلند ترین منزلیں طے کرنے کی کوشش میں لگے رہتے۔ آج کل اس مادیت کے دور میں ان باتوں کو کون جانے؟

اکتوں کو داغ کہ پر سرد زباغبان بیل چہ گفت و گل چو شنید و مبارک پر کرد
مختلف کتب مناقب کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ پیرِ پاک رحمۃ اللہ علیہ سے کئی کرامات کا ظہور ہوا۔ ان کی حیاتِ مبارکہ میں اور ان کے اس جہانِ فانی سے کوچ کر جانے کے بعد بھی، آج بھی ان کی زیارت پر جانا فائدہ سے خالی نہیں۔

(۱) "تاریخ مرصع" میں پیرِ پاک کے کرامات کے ذکر میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے اپنے باپ کے بارے میں بتلایا کہ میرا باپ ایک کے قلعے میں قید تھا پیرِ پاک اس کے پاس پہنچے۔ اس شخص کے ہاتھ پیر سے زنجیریں گر گئیں۔ حاکم وقت کو خبر پہنچی

سخت حیران ہوا، اس نے سروپا دے کر رخصت کیا۔ یہ واقعہ خوشحال خان کی بیاض سے نقل کیا گیا ہے، اگرچہ تفصیلات کا حامل ہے لیکن یہاں مختصر بیان کیا گیا۔

(۲) خان علیدین مکان خوشحال خان خشک کی بیاض سے نقل ہے جن پر انہوں نے خود دستخط کئے ہیں کہ ماہ محرم کی اٹھارہ تاریخ کو ایک عجیب بات مشاہدہ میں آئی۔

وہ ایک بل کاٹخنہ (بننگوے) تھا جو طالب الدین ولد رحیم الدین (ولد پیریاک) اپنے ساتھ لایا یا اس کے بارے میں روایت یوں بھی کہ ایک دفعہ پیریاک علیہ الرحمۃ اپنے دادا شاہ اسماعیلؒ کی زیارت کے لئے منوشت جا رہے تھے۔ ایک بل بھی اس نیت سے ان کے ساتھ تھا کہ اسے قبر مبارک پر ذبح کریں۔ راستے کے پہاڑوں میں اس بل کا پاؤں پتھروں سے نرمی ہو گیا اور چلنے سے رہ گیا۔ پیر صاحبؒ کا ایک مرید ان کے پاس آیا اور یہ اطلاع دی کہ بل ایک پیر سے لنگڑا ہو گیا۔ چلنے سے معذور ہو گیا۔ پیر صاحبؒ حالت جذب میں تھے۔ فرمایا۔ ”خدا نے پاک اس پر تیغ کاڑھے گا۔“ اسی وقت اس تازک سٹن پر بسے کی ایک میخ کندہ ہوئی۔ میخ گڑنے کی آواز سب حاضرین نے بھی سنی۔ میخ یوں پیوست تھی جیسے کہ نعل کی میخ ہو یہاں نظر آرہی تھی۔ دیکھنے سے آدمی حیران ہو جاتا کہ میخ بمقدار خود گڑی ہوئی ہے میخ پر کرامت کے سوا کسی چیز کا گمان نہیں ہوتا تھا۔

(۳) روایت ہے کہ سردھی نام کا خشک قوم میوہ خیل ان کا مرید تھا۔ اکثر پیر صاحبؒ کے پہلو میں بیٹھتا تھا۔ ایک دن ایک آدمی کسی دور دراز علاقے سے پیر ساکؒ کی زیارت کے لئے آیا۔ غلطی سے اس نے پیر صاحبؒ کی بجائے سردھی مرید کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ کسی نے اس کو بتایا کہ یہ پیر نہیں ہے، سردھی ہے پیر صاحبؒ

اس وقت حالت جذب میں تھے اور مریدوں نے ان کو بتایا کہ ”پیر صاحب آپ کی اور سردھی کی ریش مبارک کا رنگ ایک ہے اس لئے اجنبی کو غلط سمجھی ہوئی اور اس نے سردھی کی دائرھی کو ہاتھ دنگایا۔“ پیر صاحب جوش میں آئے اور زبا مبارک سے نکلا کہ ”سردھی، تمہاری دائرھی ادھر جائے کہ اجنبی اس سے دھوکہ کھا جاتا ہے“ اسی آن سردھی کی دائرھی یوں ادھر ہی کہ کوئی بال نہ رہا۔ (۴) خواجہ ملنگؒ نے ”مناقب زین الدین“ کے حصہ نظم میں ایک بزرگ سے روایت بیان کی ہے کہ ایک دن پیر ساکؒ تشریف فرما تھے۔ ان کے ارد گرد اعیان و عایدان دین کا جھگڑا تھا۔ اس محفل میں حضرت شیخ رحمکارؒ بھی شامل تھے کہ ناگہان دروازے سے ایک نوجوان داخل ہوا اور ادب کے ساتھ دو لیٹوں کے درمیان بیٹھ گیا۔ ایک ساعت کے بعد پیر صاحبؒ نے اس کی خیر و عافیت دریافت کی اور دعائے آمد پوچھا۔ نوجوان نے عرض کیا کہ وہ ہندوستان کے پایہ تخت سے آیا ہے۔ اس کا بادشاہ اپنے دشمن کے ہاتھوں سخت مصیبت میں مبتلا ہے۔ بادشاہ نے آپ کے پاس دعا کے لئے بھیجا ہے۔ ساتھ ہی ایک خط ان کے حوالے کیا جس میں بادشاہ نے قوی دشمن کے ہاتھوں اپنی تباہ حالی کا ذکر کیا تھا۔ لکھا تھا۔ آپ میری حالت پر شفقت اور مہربانی فرمائیں اور وقت سحر میرے لئے دعا کریں کہ دشمن مجھ سے اپنا ملک لینے کے درپے ہے۔ اس پرزہ کاغذ میں دشمن کی تمام کیفیات درج تھیں۔

پیر ساکؒ نے کاغذ کو دیکھنے کے بعد فرمایا ”بادشاہ کا غم خلد نہ پاگنے میرے سپرد کر دیا ہے۔ تو جا۔ اپنے وطن واپس چلا جا۔ تیرا بادشاہ فتح مند ہو گیا“

قاصد نے عرض کی۔ بادشاہ نے آپ کے لئے زر نقد بھیجا ہے اور اس کے ساتھ وہ رقم آپ کے سامنے پیش کی تاکہ آپ اسے قبول کر لیں۔ قاصد نے بادشاہ کا ہدیہ زر قبول کرنے کے لئے بے حد منت و زاری کی۔ آپ نے قبول نہ فرمایا۔ قاصد نے مال یونہی چھوڑ دیا۔ اسی وقت شیخ رحکار نے اشارتاً اس بات کا اظہار کیا کہ اگر اجازت ہو تو یہ ہدیہ میں اپنے ساتھ لے جاؤں۔ آپ نے تمام مال دزر ان کے حوالے کیا اور اپنے پاس کچھ بھی نہ چھوڑا۔ ادھر قاصد نے ہندوستان کی راہ لی۔ جب دربار میں پہنچا تو بادشاہ خوش ہوا۔ بتایا کہ فلاں تاریخ کو میری مشکل حل ہو گئی۔ دشمن سرنگوں ہو گیا اور کھو یا ہوا مال ہاتھ لگا۔ خدائی امداد سے دشمن مغلوب ہوا۔ بادشاہ نے قاصد سے پیر صحیح کا حال پوچھا۔ قاصد نے عرض کیا کہ جب میں ان کی خدمت میں پہنچا وہ دشمن کی مغلوبیت کے دن تھے۔ جب دن اور مہینے کا حساب لگا یا گیا تو پتہ چلا کہ یہ اس دن کا واقعہ ہے جب پیر صحیح نے قاصد سے فرمایا کہ "جاتیرا بادشاہ غالب ہوا اور اس کا دشمن مغلوب"۔

شاعر خوش زبان ملنگ نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے :-

اب چینیں نقل است از دانائی راز	کہ نشستہ بود روزے دیدہ باز
جملگی اعیان دین بنشستہ بود	رحکار از جملہ شان پیوستہ بود
ناگہاں وارد شد از در یک جوان	با ادب بنشست پیش عابدان
بعد یک ساعت از در پرید پیر	خیر یاد او چہ داری در ضمیر
گفت از ہند اہم از پیش تخت	شاہ ما شد نو دشمن روز سخت
شاہ بفرستادہ ام بہر دعا	ہم دریں کاغذ نوشتہ بدعا

داد کاغذ را بدست شاہ بخت
کہ خصم صعب شد عالم تباہ
در حکرا مان دعا از بہر من
حال بود دروئی نوشتہ سر بہ سر
دید کاغذ را بختیم خویش و گفت
اندریں روز آں شبہ نیکو نصال
اد کہ آں شاہ تو دمساز گشت
عرض کرد آں قاصد نیکو سیر
ہدیہ آوردہ بہادش بہ پیش
ہدیہ زر پیش تو آوردہ ام
کرد انتحاش پذیر این مال بوزیر
چونکہ قاصد مال دزر مہل گزاشت
کرد ظاہر گر اجازت باشدم
حسب عرض رحکار خوب کیش
جملگی زر را بہ او سپردہ شد
رفت قاصد را ہندوستان گرفت
کہ فلاں تاریخ ہم گشت خفت
در کف آمد حسب تأیید خدا
بعد غور و فکر و تمیق نظر
حال شاہنشاہ دروی بود سخت
اچی ترا اشفاق و لطف ای دین پناہ
کن از من مے گیر ملک اہر من
جملہ کیفیات خصم آں پُر ہنسر
کہ غم شاپی خلدے بر من سپرد
غالب آمد و نمش شد در وبال
روا میں جا ملک خود را باز گشت
کن برایت شاہ بفرستاد زر
تا قبولش کرد آں فرخندہ کیش
در سفر بسیار کلفت بردہ ام
تا قبولش کرد زر آں پُر ہنسر
رحکار از پیش ایشان عرض داشت
ہدیہ آوردہ را بمن مے برم
داد مال دزر نامندش پیش خویش
بعد یک ز پیش بردہ شد
چوں بہ ہندوستان رسید آں شرف گشت
سرنگوں شد دشمن و مالم بدست
دشمنم ز اس و تن گشتہ جدا
چوں نگہ کردند بر حشیمان سر

شاہ قاصد راشکے آمد پر دید
گفت آن روز یک من وارد شد
گفت شاہنشہ این ماتم سرا
چوں حساب روز و ماہ را کہ باد
کاندراں روزیکہ آن شہ گفتم بود
کہ امیر است غالب و مغلوب خصم
آشکارا خواست حال آن سعید
حال مغلوبی خصمان خودم
روز آن روز است غالب مرترا
شہ و افق قول شاہ دین و داد
پیش تو قاصد در معنی سفته بود
شاہ تو غالب شد و محتوب خصم

پیر ساک کی ذات اقدس سے جب بہت سے خوارق و کرامات کا ظہور ہونے لگا تو اس کا غلغلہ چار سو برپا ہو گیا۔ لوگ جوق در جوق اپنی دینی و دنیاوی ضروریات و حاجات کے حصول کے لئے دعا کی خاطر ہونے لگے۔ ان کی کرامت اور تصرف کی برکت کا یہ عالم تھا کہ مٹی کے ڈھیلے اور پتھران کی حاجات روائی کی خاطر ان کی طرف چلے آتے تھے اور پانی کا آفتابہ جسم مبارک کے ہر اندام کے وضو کیلئے خود بخود سمت بدلتا رہتا تھا۔ (مجموع البرکات)

بعد از وفات کرامات و فیوضات

(۱) یہ روایت بھی خان علیین کی بیاض سے لی گئی ہے۔ تفصیلاً بیان ہے لیکن یہاں پر اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ خان علیین نے خود اپنے قلم سے لکھا ہے :-

”جب پیر ساک فوت ہو گئے تو ان کا جنازہ ٹل کے لئے اٹھایا گیا جب جنازہ شیر کرہ پہنچا تو دہاں لوگ اکٹھے ہو گئے۔ دھکم پیل میں ایک عورت کی نٹھ کھو گئی۔ جتنا بھی اسے ڈھونڈتے رہے نہ ملی۔ اس عورت نے اپنے خادم کو اسے ڈھونڈنے کے لئے کہا۔

جب پیر صاحب کا جنازہ کو ہاٹ لے گئے تو وہ نوکر جنازے کے پاس کھڑا ہو گیا اور گستاخانہ کہنے لگا: ”اے پیر! اس عورت کی نٹھ شیر گیرے میں کھو گئی ہے اور مجھ سے کہا ہے کہ اسے تلاش کرو۔ اب

چاہے جتنا بھی اسے ڈھونڈنا نہیں ملی۔ وہ عورت اس لگاٹے ہوئے ہوگی۔ اس کا یہ کہنا ہی تھا کہ سونے کی ایک ٹکڑا اچانک کسی طرف سے آنکھوں کے سامنے آگری۔ دکھی تو بعینہ وہی تھی جی جھوٹی تھی وہ اس عورت کو واپس دیدی گئی۔

(۲) مشہور ہے کہ پیرساک کے مزار اقدس کے پاس ہی سرے کی کان تھی۔ یہ سرے موجب شفا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس پہاڑی پر موجود درختوں کی شاخیں بھی ہر بیماری کے لئے نفع مند تھیں۔ سرے کی کان کی اس خاصیت کا جب لوگوں کو علم ہوا تو اردگرد کی اقوام اس کان پر قبضہ کرنے کے لئے آپس میں لڑپس لڑائی طول پکڑتی گئی اور شر و فساد بڑھتا رہا۔ انہی دنوں شاہ زمان نامی ایک مرد تھے۔ وہ طبعاً مسکین اور دل سوز سے پُر رکھتے تھے۔ ہمیشہ اس جھگڑے فساد سے دلگیر رہتے تھے۔ ایک رات جب سو گئے تو پچھلے پہر خواب میں پیرساک کو رسول برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دیکھا۔ شاہ زمان رسول مقبول کی قدسیوں کے لئے آگے بڑھے۔ مصطفیٰ و مجتبیٰ نے پریشانی کا سبب دریافت فرمایا۔ شاہ زمان نے سارا واقعہ بیان کیا۔ پیرساک یہ فتنہ و فساد اور شر و غوغا مابین خلق سن کر بیدار بخیدہ ہوئے اور حضور کے دربار اقدس میں درخواست کی کہ سرے کے لئے ناحق خونریزی ہو رہی ہے۔ آپ خداوند قدوس سے دعا مانگیں کہ وہ اس شر و شرک کا خاتمہ فرمائے حضور پر نور نے پیر صاحب کی دُجوئی کی خاطر بارگاہِ قدس میں دعا مانگی:

”اے خداوند متقیان و راستان۔ اس سرے کے اثر کو نیست و نابود فرماتا کہ یہ باعث جنگ و جدال نہ رہے۔“

تھوڑے وقفے کے بعد امر خداوندی ہوا کہ سرے

کی تاثیر ختم ہوگئی۔ پیر کو خوشخبری سنائیں کہ اُس دن جھگڑا نہ ہوگا۔ حضور پاک نے پیر صاحب کو یہ بشارت سنائی۔ پیر صاحب خوش ہوئے اور شاہ زمان کو بھی اس امر حق سے آگاہ فرمایا۔ شاہ زمان فوراً سجدہ شکر بجالایا۔ جب اٹھا کہ دیکھا تو رسول پاک اور پیر صاحب دونوں غائب تھے۔ صبح صادق کے وقت جب شاہ زمان خواب سے بیدار ہوئے تو ادائے نماز و ورد و وظائف کے بعد کان کے پاس پہنچے۔ سرے کوٹ کر آنکھوں میں ڈالا تو سرے حاک کی طرح لگا اور آنکھیں درد کرنے لگیں۔

وفات، تکفین و تدفین

روایت ہے کہ جب پیرساک رحمت اللہ علیہ بیمار ہوئے تو انہوں نے اللہ تبارک و

تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی شفا یابی کے لئے دعا مانگی۔ لیکن اسی رات اپنے خواب میں سنا کہ اپنے حق میں دعا نہ مانگو کیونکہ آپ کی رحلت کا وقت آن پہنچا ہے۔

”مناقب زین الدین“ میں اس پر یوں تبصرہ کیا گیا ہے: ”کہتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت عزرائیل علیہ السلام ملک الموت سے حیات کی ہمت چاہی تھی جب جنسیروں نے ہمت چاہی تھی تو اولیاء کیے ہمت نہیں چاہیں گے۔“

سن وفات

پیرساک کا صحیح سن وفات معلوم نہیں لیکن ایسے قرآن موجود ہیں کہ آپ ۲۵ھ سے کچھ عرصہ پہلے ہی فوت ہو چکے تھے

چونکہ آپ کی زیارت پر ہر سال میلہ محرم کی نویں اور دسویں تاریخ کو لگاتا ہے اس لئے قیاس غالب یہ ہے کہ آپ محرم کی نویں یا دسویں تاریخ کو فوت ہوئے چونکہ آپ نے اپنی زندگی میں وصیت فرمائی تھی کہ میں یہاں مسافروں اسلئے جیسا کہ حضرت یوسف نے وصیت کی تھی جس کے مطابق ان کا جسد مبارک مصر سے کنعان لے جا کر

دن کیا گیا۔ اسی طرح مجھے بھی موضع بلند خیل (ٹل، ضلع کوٹاٹ) میں میرے عزیزوں کے پاس پہاڑی پر دن کیا جائے۔

چنانچہ غسل تکفین اور نماز جنازہ کے بعد آپ کی میت کو سپیڈارکٹری کے تابوت میں بند کر کے اوٹ پر لاد گیا۔ اوٹ نجیب سے نمودار ہوا۔ ظہر کے وقت جنازہ اٹھایا گیا اور دوسرے دن اسی ظہر کے وقت بلند خیل پہنچ کر دفنایا گیا۔ راستے پر جگہ جگہ لوگوں کی کثیر تعداد نے آپ کی آخری زیارت کی۔

صاحب کتاب "مناقب زین الدین" لکھتے ہیں کہ بلند خیل اور پیرساک گاؤں کے درمیان پانچ یا چھ دن کا سفر ہے لیکن آپ کی برکت سے ایک ظہر کے وقت سے دوسرے دن ظہر کے وقت تک یہ فاصلہ طے ہو گیا۔

ادلیا، کی کرامات برحق ہیں۔ ان کے سامنے زمان و مکان کے حدود سمٹ کر رہ جاتے ہیں۔ اس زمانے کے لوگ بھی نیک تھے اور ایسی باتیں ان کے عام روزمرہ مشاہدے میں آتی تھیں۔ صاحب نظر لوگوں نے اس زمانے میں بھی اعتراض نہ کیا اور نہ آج اللہ والوں سے یہ حقیقت مخفی ہے۔ اس کو چپے کی راہیں وہ جانتے ہیں جس نے اس سلسلے میں محنت و ریاضت کی اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جسے مقام محمود حاصل ہو جائے۔

آپ کا مزار اقدس دریائے کرم کے کنارے ٹل سے بنوں جانے والی سڑک کے جانب غرب ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ اس پہاڑی پر دو گنبد ہیں۔ ایک پڑانا جس کو توپ کے گولے سے نقصان پہنچا ہے، وہ بلند خیل قوم کے مورت اٹلی کا بیان کیا جاتا ہے۔ دوسرے نسبتاً نئے گنبد کے اندر آپ آرام فرما ہیں۔ آپ کے ساتھ کی قبر آپ کی زوجہ مطہرہ کی بیان کی جاتی ہے۔ ان قبروں کے پاؤں کی جانب ایک چھوٹی سی قبر ہے جو روایت ہے کہ اس

معمار کی ہے جس نے یہ گنبد تعمیر کیا اور پھر وصیت فرمائی کہ اسے بھی اس کے اندر دفن کیا جائے۔ پہاڑی کے نیچے ڈھلوان میں ایک اور مشہور زیارت ہے جسے مندروں یا پلہتے ہیں۔ مجاہد راسی قبر پر بیٹھتا ہے۔

آپ کی قبر بڑے پر فضا مقام پر واقع ہے۔ پہاڑوں کے نیچے دریائے کرم بہتا ہے جس پر پل بنایا گیا ہے۔ سامنے ٹل کا قلعہ نظر آتا ہے۔ "مراقات رحکار" میں اس مقام کو درہ کوہ سرد کہا گیا ہے۔ اصل عبارت یوں ہے: "درہ کوہ سرد کہ اس محل منسوب بہ پیر تلگیر ساک است" یعنی درہ کوہ سرد میں کہ وہ جگہ پیر دستگیر ساک کا مکان کہلاتی ہے۔

آپ کی زیارت پر گنبد آپ کے بیٹے پیر فرید الدین نے تعمیر کیا۔ لنگ نے ان کے پوتے "پیر زین الدین" کو اس گنبد کا تعمیر کنندہ لکھا ہے لیکن صحیح پیر فرید الدین ہی ہیں۔ روایت ہے کہ اکثر گائے بیل اور دیگر جانور قبر مبارک کے قریب جا کر ان کے اطراف کے پھیر اور ٹی کو پاشمال کیا کرتے تھے۔ ایک رات اپنے فرزند ارجمند پیر فرید الدین کو خواب میں آکر فرمایا کہ مجھے حیوانات زیادہ تکلیف دیتے ہیں۔ اگر وہاں مقبرہ تعمیر کیا جائے تو امید ہے کہ چوپایوں کے آزار سے بچ جاؤں گا جب آنحضرت کے بیٹے نے یہ خواب دیکھا تو ان کے پاس کل چالیس روپے تھے۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے بلند خیل روانہ ہوئے اور وہاں گنبد بنانے میں مشغول ہوئے۔ چار ہزار اور چار صد روپے خرچ ہوئے۔ یہاں تک کہ مقبرہ مکمل ہوا۔ آنحضرت کی برکت سے روپے ہر جگہ سے آتا تھا۔

میلہ

آپ کی زیارت پر ہر سال محرم الحرام کی نو اور دس تاریخ کو ایک بڑا میلہ لگتا ہے۔ ہر جمعرات کو معتقدین زیارت کے لئے جاتے ہیں اس

علاقے میں مشہور ہے کہ جس فرد کو بھی اولاد کی خواہش ہو وہ وہاں جا کر دعا مانگے تو رب العزت اس کی مراد پوری کر دیتا ہے۔ بل میں ایک دینی مدرسہ ہے جس کے طلباء وہاں زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ گیند کے باہر زمین دوز تہہ خانے ہیں جو اگلے وقتوں میں بطور خانقاہ اور چکہ گاہ استعمال ہوتے تھے۔ آج کل وہاں پر قرآن پاک اور ایسے ہی فقہ و شرح کی کتابوں کے پھٹے پلٹے نسخے رکھے جاتے ہیں تاکہ ان کی بے حرمتی نہ ہو۔

اولیائے عصر سے تعلقات

اس باب میں ہم پیرساک رحمۃ اللہ علیہ اور بعد میں ان کی اولاد کے ساتھ ان کے ہم عصر شاخ عظام اور علمائے کرام کے تعلقات کے بارے میں بحث کریں گے۔

اخوند چخوبابا ^۱ ان کا اصلی نام عبدالوہاب تھا۔ ارکانِ خمسہ اسلام (پنج بنامہ) کی سختی سے پابندی کرنے کی تعلیم دیتے تھے اسلئے عوام میں "چخوبابا" کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کے والد غازی خان ہندوستان میں "سنبھل" کے مقام پر رہتے تھے اور ابراہیم لودھی کے امراء میں شمار ہوتے تھے ابراہیم لودھی کی شکست کے بعد علاقہ یوسف زئی میں آباد ہوئے۔ ۹۲۵ھ میں بمقام پوٹہ ڈھیری (صوابی) انہوں نے چخوبابا کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اخوند چخوبابا نے نوسلیام گاڈن روہیلکھنڈ میں تعلیم حاصل کی اسلئے ان کو "افغانی نوسلیامی" بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کے والد غازی خان کا مزار اقدس قلعہ بالا حصار کے نیچے ہے۔ اخوند چخوبابا ۹۹۰ھ میں موصغ ابراہیم لودھی سے اور مستقل سکوت اختیار کی۔

۹۹۳ھ میں شیخ جلال الدین تھانیسریؒ کے خلیفہ میرزا الفتح قنباچی سے طریقہ عالیہ حشمتہ میں بیعت کی۔

یہ مشہور ولی، عالم اور غازی بالآخر عہد شاہِ جہان میں ۹۵ سال کی عمر میں ۱۰۴۰ھ بمطابق ۱۶۳۰ء فوت ہوئے۔ ان کی تجہیز و تکفین میں میرزا عثمان، انہوں نے چالاک، شیخ علی، شیخ شاہِ جہان پوری اور شیخ رحیمکار جیسے جلیل القدر بزرگ شریک تھے۔

"مناقب زین الدین" میں لکھا ہے: "زید العارفين انون چخو قدس اللہ سرہ ابراہیم لودھی جو اپنے زمانے کے کامل و مکمل اولیاء میں سے تھے۔ بے شمار مرید رکھتے تھے۔ خاص کر مولانا علی رحمۃ اللہ علیہ تکمیل کے درجے کو پہنچے تھے اور مخلوق کی صحیح رہنمائی فرماتے تھے۔ ان کے بیٹے مولانا عبدالرحیم خوارق عادات کے مالک تھے۔ ایک دن اتوند عبدالرحیم نے اپنے والد اتوند علی سے پوچھا کہ اتوند دروینہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں شاہ ایاکیر، شاہ اسمعیل اور پیرساک رحمۃ اللہ علیہم کی نسبت جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں۔ اتوند علی نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ میں نے اتوند چخوبابا کی زبانی کئی مرتبہ سنا ہے کہ ابو بکرؓ نے اسمعیل اور پیرساک تینوں کے تینوں غوث کا مرتبہ پا کر فوت ہوئے ہیں اور ان کی طرح اصلی اور صحیح النسب یہ کیا ہیں۔ اتوند دروینہ نے اہل غرض کے کہنے پر بلا تحقیق لکھا ہے۔ اس کے پورا اعتبار نہیں۔ ایضاً مولانا اتوند چخوبابا قدس اللہ سرہ انفرز فرماتے تھے کہ جتنا میں ان کے حال سے واقف ہوں دوسرا کوئی نہ ہوگا۔ اس کے بعد کا بیان آپ شاہ اسمعیل کے حالات میں پڑھ چکے ہیں۔

بقول قاضی عبدالحلیم اشرفی پیرساک کے فرزند پیر فرید الدین نے سلسلہ عالیہ شیعہ صابریہ میں مولانا اخوند خوجا بابائے جمعیت کی تھی۔ واللہ اعلم

بہادر خان بابا المعروف ایک صاحب اور کا کا خیل خاندان
شیخ رحیمکار
المعروف

کا کا صاحب کے والد ماجد بہادر خان بابا اور ان کے باپ واجداد کے ساتھ پیرساک کے اجداد کا تعلق اسی زمانے سے معلوم ہوتا ہے جب یہ لوگ علاقہ خومت میں مقیم تھے۔ شیخ ابوبکر تمام خٹک قوم کے مرشد تھے اور اس خٹک قوم میں کا کا صاحب کے باپ واجداد بھی شامل تھے۔ کتب تاریخ سے شیخ ابوبکر اور بہادر خان بابا المعروف ایک صاحب کے درمیان تعلق ثابت ہے۔ شیخ ابوبکر سلسلہ عالیہ سہروردی میں بہادر خان بابا کے سپر لقی تھے۔ ان ہی کی درخواست پر شیخ ابوبکر نے اپنے فرزند پیر محمود المعروف پیرساک کو ان کے ہمراہ روانہ کیا تاکہ ان کی صحبت بابرکت سے فیض حاصل کریں۔ بعد میں کا کا صاحب بھی پیرساک کی صحبت میں آیا جایا کرتے تھے۔ پیرساک کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں پوتوں کے ساتھ بھی کا کا صاحب کے تعلقات خوشگوار اور خصوصی عقیدت کے حامل رہے۔

تاریخ مرصع میں لکھا ہے (صفحہ ۵۹۱) کہ حضرت کا کا صاحب نے ایک دن اپنی تمام کتابیں جن میں حدیث، فقہ اور اقوال مشائخ کی کتابیں شامل تھیں، علماء اور خدام کی نذر کر دیں اور مسجد کو دیاں کر دیا۔ اس کی لکڑیاں اور اینٹیں فقروں میں تقسیم کر دیں۔ شیخ شہاب الدین جو پیرساک کے فرزند اور راہ حق پر چلنے والے تھے، نے حضرت شیخ کے پاس پیغام بھیجا کہ کتابیں لوگوں میں تقسیم کر دیں۔ اس کا

آپ کو حق حاصل تھا کیونکہ آپ کی ملکیت تھیں لیکن شکل یہ ہے کہ مسجد جو کسی کی بھی ملکیت نہیں ہے آپ نے کس بناء پر اس کی اینٹیں اور لکڑیاں فقراؤں میں تقسیم کر دیں شیخ کا کا صاحب نے جواب میں کہا کہ میں ان چند کتابوں اور مسجد کے علاوہ کسی شے کے ساتھ دستیابی نہیں رکھتا اور جس چیز کے ساتھ بھی دستیابی رکھتا ہوں اسے اپنے راستے کا دشمن خیال کرتا ہوں۔ اسی وجہ سے کتابیں تقسیم کر دیں۔ ایسے ہی مسجد کے ساتھ میری دلی وابستگی تھی، میں اس میں نماز پڑھتا تھا۔ ایسا نہ ہو کہ مسجد کے ساتھ میری یہ دستیابی اس جگہ میری نماز کو بت پرستی بنا دے۔ اسی وجہ سے مجھ سے یہ عمل سرزد ہوا۔ اس سلسلے میں مجھے معذور سمجھیں۔

لیکن یہ خوشگوار عقیدہ تمدن اور خصوصی تعلقات کا کا صاحب کی وفات کے بعد قائم نہ رہے۔ کا کا خیل اس بات کو اپنی امانت سمجھنے لگے کہ کا کا صاحب اور ان کے اجداد نے پیرساک اور ان کے اجداد سے فیض حاصل کیا تھا۔ اسی طرح پیرساک اس پر بیجا فخر کرتے تھے یہاں تک کہ پیر زین الدین کے وقت تک حالات بدل گئے اور بعد میں برہان گل میاں صاحب کی اولاد میں پاپامیاں صاحب نے موضع دہی پیر قبضہ مخالفت کر لیا۔ اور پیر زین الدین مولانا نے جو کچھ لکھا بعد میں وہ اکی مخالفت کی بنا پر تھا۔ لیکن اس کے باوجود جب کا کا خیلوں اور اشرف خان خٹک کی اولاد میں مجلس ہوئیں تو ایک دفعہ کا کا خیلوں نے مجرد مال و اسباب پیر زین الدین کی اولاد کے پاس موضع پیر میں امان پائی۔ اس واقعے کا ذکر افضل خان نے تاریخ مرصع میں کیا ہے۔

ان کا ذکر اس سے پہلے بھی آچکے ہے۔ پیر زین الدین خون چالاک بابا کے استاد تھے اور ابتدائی کتابیں انہوں نے ان ہی

بزرگ سے پڑھیں بقول قاضی عبدالعلیم اثر صاحب جو اپنے چچا لاک جہاد کے لئے
جانب سے تھے تو ان کی سرگردگی میں جانے والے لشکر میں سید محمد یوسف ابن سید محمد یونس
اور سید علی گیلانی المعروف بے سید زندہ پیر و علی مست و زندہ علی کے ساتھ سید فرید
الدین بے فرزندوں کے شامل تھے اور موضع طور میں سید فرید الدین کی زمین کو
مجاہدین کے کیمپ کے طور استعمال کیا گیا تھا۔ اس زمین کو عید گاہ کے طور پر جہاد گاہ
کا نام دیا گیا جسے بعد میں جہاد گے کے نام سے شہرت ملی (واللہ اعلم)

حضرت یونس افلاک

مشہور عالم اور بزرگ تھے۔ موضع طور کے
رہنے والے تھے۔ ان کے والد ماجد کا نام سید
سلیمان گیلانی تادری تھا۔ انھوں یونس اپنے ہی گاؤں کے مغرب کی طرف نالہ
کلپا نٹری کے پاس دفن ہیں۔ ان کی زیارت پر بہت لوگ جاتے ہیں۔ پیر
زمین الدین نے موضع طور میں اپنی آٹھ کنوئیں کی زمین ان کی نذر کی تھی جو ساج
تک انھوں صاحب کی اولاد کے قبضے میں ہے۔ یہ قصۃ المشائخ کا بیان ہے۔ اس
کے برعکس قاضی اثر صاحب لکھتے ہیں: ”پیر ساک کے فرزند سید فرید الدین
نور محمد نے ان ہی سید سلیمان گیلانی سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت کی تھی اور سلسلہ
عالیہ قادریہ کے ساتھ پیر ساکی خاندان کا رابطہ سید فرید الدین کی وساطت سے
آیا تھا۔ سید فرید الدین نور محمد متوفی ۱۰۹۵ھ / ۱۶۴۹ء کی ایک لڑکی تھی
جس کا ام گرامی تھا سید بیگم۔ اور یہ سید بیگم حضرت سید محمد یونس گیلانی ابن سید
سلیمان گیلانی کی بیوی تھیں۔ سید محمد یونس گیلانی کی دوسری بیوی کا نام تھا سیدہ
آغیہ جو حضرت مولانا عبدالوہاب عرف انونڈنچو بابا کی دختر نیک اختر تھیں۔

موضع طور میں سید فرید الدین نور محمد کو شہنشاہ دہلی شاہجہان کے عہد حکومت میں
جاگیر نہیں بلکہ مقامی لوگوں نے جو سیرا دی تھی وہ تعدادی نو رہٹوں کی زمین
تھی۔ یہ اراضی نالہ بلڑ اور نالہ کلپانی کے مقام اتصال سے سجان شمال سنگھم میں
واقع تھی۔ اب نالہ بلڑ نے اپنا راستہ بدل دیا ہے اور یہ اراضی اس نالہ کے جنوب میں
واقع ہے۔ جب سید فرید الدین ابن پیر ساک فوت ہو گئے اور سید زین الدین
جانشین ہو گئے تو ترکہ پدیری اور میراث کی تقسیم میں طور کے نو عدد رہٹوں کی
زمین والد کی میراث کے طور پر سید زین الدین کی ہمشیرہ سید بیگم زوجہ سید محمد یونس
گیلانی کو دی گئی۔ وجہ یہ تھی کہ حضرت سید محمد یونس موضع طور کے اور نالہ کلپانی
کے مغرب میں واقع موضع حاوہ میں سکونت پذیر تھے اور میراث کی یہ زمین ان کے
نزدیک پڑتی تھی.....

قاضی اثر صاحب کے اس بیان پر ہم ”قصۃ المشائخ“ کے بیان کو ترجیح دیتے
ہیں جس کے مطابق حاجی سید عبدالشکور ابن پیر زین الدین پہلے بزرگ تھے جنہوں
نے اس خاندان میں پہلی بار طریقہ قادریہ میں بیعت کی۔ اسی طرح وہ نو رہٹوں کی زمین
حضرت یونس گیلانی کو ان کے شاگرد پیر زین الدین نے نذرانہ میں دی تھی کیونکہ ان
دو بزرگوں کے درمیان رشتہ ناممکن سی بات تھی کیونکہ پیر ساکی سادات آج تک
اپنی بیٹیاں غیر خاندانوں میں نہیں بیاہتے۔ اسی لحاظ سے ”سید بیگم“ کا وجود
بھی مشکوک ہے کیونکہ اثر صاحب اس سے پہلے اپنی مشہور تالیف ”روحانی روابط“
میں لکھتے ہیں :-

”سید محمد یونس گیلانی کی تیسری بیوی حضرت مولانا شیخ المشائخ محمد عمر

المعروف پیر ساک علیہ الرحمۃ کی بیٹی بنفس جن کا نام ”بیگم“ تھا۔ ضلع مردان تحصیل صوابی کے موضع پر مونی کے پیران اسی بی بی کی اولاد سے ہیں۔“

حضرت نور محمد المعروف بہ انخوند یونس

تھے۔ ان کا سن پیدائش اندازاً ۹۷۹ھ اور سال وفات ۱۰۵۹ھ ہے۔ حضرت انخوند پنچو بابا اور حضرت آدم بنوری سے فیض حاصل کیا۔ یوسف زئی اور منڈرا توم کے پیشوا تھے۔ حضرت نور محمد (انخوند یونس) گیلانی کی تین بیویاں تھیں۔ (۱) حضرت آئینہ جو حضرت انخوند پنچو سید عبدالوہاب کی بیٹی تھیں۔ ہمارا خاندان اس بی بی کی اولاد ہے۔ (۲) زوجہ دوم۔ جہان آراء ان کی اولاد بھی موضع طورہ میں آباد ہے۔ (۳) زوجہ سوم کا نام بیگم تھا۔ جو انخوند پیر ساک کی بیٹی تھیں۔ بقول اثر افغانی ”پر مولی پیران کی اولاد ہیں۔ آپ نے پیر زین الدین کی جس پشت را بیٹی زمین کی بات لکھی ہے اس کا ہمارے گھرانے کے بزرگوں کو پتہ نہیں۔ اگلے وقتوں کے بزرگوں کو سیری و بجائی تھیں۔ بنٹر بابا جن کا اصلی نام محمد گل تھا۔ نوشہرہ کے شلا بابا کی اولاد میں سے تھے۔ طورہ میں صاحب حضرت محمد حسن کی دعوت پر آئے۔ اور وہاں آباد ہوئے۔ میان صاحب اور ان کے بیٹے بنٹر بابا سے پڑھتے تھے۔ بقول طورہ کے مشہور شاعر اور ماہر علم الانساب ناخ ملوک خان دستور مرحوم بنٹر بابا ایک عاجز طبع انسان تھے۔ مخلوق خدا سے دور گوشہ تنہائی میں ذکر و عبادت میں مصروف رہتے تھے“ یہ دونوں بزرگ بنٹر بابا اور میان صاحب علیہ رحمۃ اللہ اور ۱۸۵۷ء کے درمیان بقید حیات تھے اور حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسماعیل شہید کے ہم عصر تھے۔ (بحوالہ خط۔ م۔ رشقی طوروی مؤرخ کیم جولائی ۱۹۸۱ء)

سید السادات شیخ آدم بنوری مشوانی

آپ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ العزیز کے خلیفہ نامدار اور اپنے وقت کے مشہور بزرگ تھے۔ آپ مشرقی پنجاب میں جاندھر کے قریب پٹیاں ریاست کے بنور نامی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد اسماعیل خان جہان لوطی کے مشیر خاص تھے۔ شیخ آدم بنوری نے مجدد الف ثانی شیخ احمد سرندی الکابلی سے تکمیل اور ارشاد کی اجازت حاصل کی۔ لاکھوں ہندوستانی اتقان ان کے مرید ہوئے تو شاہ جہان بادشاہ کو خطرہ لاحق ہوا اور ان کو ہندوستان سے جلا وطن کیا۔ ۱۰۵۳ھ بروز جمعہ مدینہ منورہ میں فوت ہوئے اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں ”نکات الاسرار“ نظم النکات، خلاصۃ المعارف اور تفسیر سورۃ الفاتحہ کے نام سے مشہور ہیں۔

محترم قاضی اثر صاحب لکھتے ہیں: ”پیر ساک کے بڑے بیٹے فرید الدین نور محمد نے سلسلہ نقشبندیہ میں سید السادات خواجہ بزرگ سید آدم بنوری سے بیعت کی تھی اور ان کے خلفاء میں سے تھے۔“

شیخ سعیدی لاہوری

آپ حضرت شیخ آدم بنوری کے خلیفہ تھے۔ ۱۰۸۰ھ میں فوت ہوئے۔ مناقب زین الدین میں لکھا ہے کہ پیر ساک کے پوتے پیر زین الدین سلطان بہار نین و طیب الاصلین حضرت شیخ سعیدی لاہوری قدس اللہ سرہ کے ہم صحبت اور

میردوں میں تھے اور کتاب "بضعتہ الاربعین" انہی کے اشارے اور دعوات پر تصنیف کی۔

حاجی بہادر صاحب کو باٹی

مشہور و معروف ولی تھے۔ کو باٹ میں دفن ہیں۔ ۱۶ ماہ رجب بروز

دوشنبہ قبل از نماز مغرب اگر میں پیدا ہوئے اور ۶ ماہ رجب ۹۹ھ بروز جمعہ بوقت صبح صادق آپ نے کو باٹ میں وفات پائی۔

شیخ عبدالرحیم المعروف میاں حاجی صاحب جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ نے کچھ عرصہ تک حاجی بہادر صاحب کو باٹی سے فیض حاصل کیا۔

سرالاعظم شیخ محمدیحییٰ اٹلی

مشہور و معروف ولی تھے۔ شہر انک میں ان کا مزار مبارک آج تک مرجع

خلافت ہے۔ ہر سال اس پر عرس ہوتا ہے جس میں ہزاروں زائرین شریک ہوتے ہیں۔ ۲۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۳۱ھ میں فوت ہوئے۔ آپ شیخ سعدی

لاہوری کے خلیفہ اکبر تھے۔ ان کا طریقہ نقشبندیہ تھا۔ پیرزین الدین ان کے ہم پیر و ہم اتاد تھے۔ پیرزین الدین کی وفات پر ان کے گھر موضع بیت الغریب لغزنی اور فاتحہ خوانی کے لئے تشریف لائے۔ کتاب قصۃ المشائخ میں لکھا ہے کہ ان (پیرزین الدین) کی وفات کے بعد حضرت جیور رحمۃ اللہ علیہ ان کے لشکر اور روضہ مبارک کے مختار تھے۔

پیرزین الدین کے دس بیٹے ان کے مرید تھے اور حضرت سرالاعظم اس پر بڑا فخر کیا کرتے تھے کہ دس پیر زادے ان کے مریدوں میں سے ہیں اور اوپنے

مراتب اور جناب والے ہیں۔

پیرزین الدین کے پوتے میر محمد شاگر جو ایک خوشنوا شاعر اور ادیب تھے وہ حضرت سرالاعظم شیخ محمدیحییٰ المعروف حضرت جی صاحب انک کو اپنا جہاد بتلاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیرزین الدین کے بیٹے حاجی سید عبدالشکور پر حضرت سرالاعظم کی بیٹی بیاسی ہوئی تھی (یہ محترم اثر صاحب کا بیان ہے) قصۃ المشائخ میں بھی یہ درج ہے کہ "فاتحہ خوانی کے بعد حضرت سرالاعظم پیرزین الدین کے گھر گئے۔ واضح ہو کہ انہوں نے اپنے درمیان اخلاص کا خصوصی اور بلند رابطہ قائم کیا تھا۔"

قاضی اثر صاحب میاں محمد عمر چمکنی کی تالیف "خزینۃ الاسرار" کے حوالے سے لکھتے ہیں: "سید حاجی عبدالشکور اور حضرت جی صاحب انک دونوں پیر بھائی اور حضرت پیر نیر گوار شیخ سعدی بخاری کے مرید تھے۔" لیکن حضرت سرالاعظم کا سلسلہ نقشبندیہ جو اب تک جاری ہے اس میں سید عبدالشکور کو حضرت سرالاعظم کا خلیفہ بیان کیا گیا ہے "مناقب زین الدین" سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ آپ غوث الاقنان کے لقب سے مشہور ہیں میاں محمد عمر صاحب چمکنی موضع چمکنی ضلع پشاور میں ان کا مزار معروف

ہے۔ پیریاگی بزرگوں سے انتہائی خوشگوار تعلقات رکھتے تھے اور انکی بڑی اکرام و تعظیم کی کرتے تھے ۱۱۲۳ھ میں حضرت مولانا غوث الاقنان میاں محمد عمر چمکنی نے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب "اشیاء خلافت راشدہ" فضائل خلفاء اربعہ، فضائل صحابہ۔ مناقب اہل بیت و مسلک اہل سنت والجماعہ فی الصحابہ

کے نام سے جو ۹۵۰ھ/۱۵۴۳ء میں مسجد الحرام میں لکھی گئی تھی اس کی اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی نقل حضرت غوث الافغان نے سید حاجی عبدالشکور کی خدمت میں پیش کی تھی۔

حضرت میاں عمر ۱۰۸۵ھ میں دریائے راوی کے کنارے واقع پنجاب کے قصبہ فرید پور میں محمد ابن سیم کے گھر پیدا ہوئے۔ علاقہ باجوڑ کے قبیلہ سوئی خیل ترکلانی سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد اپنے نانا ملک محمد سعید کے ساتھ موضع چمکنی میں آکر مقیم ہوئے۔ ۱۱۹۰ھ میں موضع چمکنی پشاور وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ پڑے عالم، مدبر، مؤرخ اور مصنف تھے۔ احمد شاہ ابدلی ان کے معتقد تھے اور ان ہی کے مشورے پر بندوستان حملہ آور ہوئے۔ حافظ رحمت خان اور نجیب الدولہ کے ساتھ بھی محمودی روابط تھے۔ ان کی تالیفات میں شمال النبی، خلاصہ کبیری، اوتھانی اور المعانی شرح آمانی مشہور ہیں۔

شیخ جنید لپتاوریؒ

ان کا مزار مبارک بھی پشاور شہر میں ہے۔

سن وفات ۱۱۶۹ھ ہے۔ شیخ جنیدؒ نے

شاہ معصومؒ پیر ساکی ابن سید حاجی عبدالشکور سے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی تھی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں یہ دونوں بزرگ پیر بھائی تھے اور حضرت سرالاعظم بحلیؒ انکی کے مشاہیر تعلقاً میں سے تھے۔

عبدالحلیم اثر افغانی صاحب اپنا ماہر تندر کے جنوری فروری ۱۹۴۳ء کے شمارے میں لکھتے ہیں :- ”دوسری بات یہ ہے کہ حضرت حافظ انوند شیخ جنید سلسلہ

عالیہ قادریہ اور نقشبندیہ میں دو بزرگوں کے مرید تھے: (۱) سید شاہ معصوم پیر ساکی جن کا مزار پشاور شہر میں واقع ہے جن کا سلسلہ قادریہ حضرت میراں محی الدین شیخ عبدالقادری جیلانی تک پہنچتا ہے (۲) حضرت شیخ احمد ملتانی سے بیعت تھے جن کا سلسلہ بھی حضرت غوث الاعظم تک پہنچتا ہے۔

سید علی المعروف بہ پیر باباؒ
سید علی خواص ترمذی المعروف پیر باباؒ
۹۰۸ھ بمطابق ۱۵۰۲ء میں ہندوستان

میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید تنبر علی ہمایوں بادشاہ کے رشتہ دار تھے اور امیر نظر بہادر کے خطاب سے نوازے گئے تھے۔ لیکن ان کے دادا سید احمد یوسف عالم اور بزرگ تھے۔ پیر بابا سلسلہ کبرویہ میں ان کے مجاز ہوئے۔ بعد میں شیخ سالار رومیؒ سے چاروں سلسلوں (چشتیہ، بہروردیہ، شطاریہ اور ناجیہ حلاجیہ) میں بیعت فرمائی۔ اپنے شیخ کے حکم پر ”کوستانی علاقے“ کی طرف روانہ ہو گئے پشاور میں ان کی ملاقات حاجی سیف اللہ گلگانی اور ملک گلگانی لگانی سے ہوئی ان دو حضرات کی درخواست پر علاقہ دوابہ میں مقیم ہوئے لیکن ایک سال بعد علاقہ یوسف زئی تشریف لے گئے اور بمقام سدوم آباد ہوئے۔ وہیں شادی کی۔ وفات تک وہیں مقیم رہے۔ آخر ۸۱ سال کی عمر میں اس دنیا سے تشریف لے گئے (بمطابق ۹۸۹ھ) یونیر ضلع سوات میں دفن ہیں مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ لوگ ہزاروں کی تعداد میں ہر سال ان کی زیارت پر دعائے مانگنے کیلئے جاتے ہیں۔

اتوند درویشہؒ
پیر بابا کے مشہور خلیفہ گزرے ہیں۔ ملازگی پاپتی کے شاگرد تھے اور نسلا تاجک ترک تھے۔ ماں کی

طرف سے سلاطین بلغ کے واسطے سے سلطان سکندریونانی کی اولاد سے تھے۔
۹۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۲۸ھ میں بصرہ ۱۰۸ سال بمقام نیشاوردفات پائی
اور ہزار خوانی کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

پروفیسر تقویم الحق صاحب کی تحقیق کے مطابق اخوند درویزہ نے ۹۶۰ھ
تا ۹۶۲ھ کے درمیانی عرصہ میں پیر یابا سے ملاقات کی اور ان کے مرید ہوئے۔
کچھ عرصہ کے بعد اخوند صاحب کا تاد حضرت حاجی محمد المعروف بہ ملازنگی
پاپینی کی سفارش پر پیر یابا نے ان کو خلافت عطا کی۔ درج ذیل کتابوں کے
مصنف ہیں :-

- ۱- مخزن الاسلام :- یہ کتاب کئی کتابوں اور رسالوں کا مجموعہ ہے جن میں رسالہ
قرأت کتاب العقائد، قصیدہ بروہ، خلاصہ اور الف نامہ شامل ہیں۔ اس
طرح یہ کتاب علم کلام، علم فقہ، علم حدیث اور اخوند صاحب کے اپنے کلام پر
شتمل ہے۔ اس کتاب کی تکمیل میں ان کے بیٹے اور پوتے نے بھی حصہ لیا۔
 - ۲- تذکرۃ الابراہم والاشرار :- فارسی زبان میں لکھی گئی ہے۔ سن تصنیف ۱۰۲۱ھ ہے
عقائد اور تاریخ کی کتاب ہے۔ اپنے زمانے کے اچھے اور بے پیروں کا ذکر کیا ہے
 - ۳- ارشاد الطالبین - (۴) ارشاد المریدین :- یہ دونوں کتابیں فارسی زبان
میں لکھی گئی ہیں۔ اخوند درویزہ یابا یا زیندنا نصاری المعروف بہ پیر دروستان
کے سخت مخالف تھے۔ "مخزن" نامی کتاب انہوں نے پیر دروستان کی مشہور
تصنیف "خیر البیان" کے جواب اور رد میں لکھی ہے۔
- اخوند درویزہ نے اپنی کتاب "تذکرہ" کے صفحہ نمبر ۱۳۲ پر پیر چالاک اور

پیر عمر کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح صفحہ نمبر ۱۸۲ پر شاہ سہیل، میر علی، ابو بکر اور پیر عمر
کا ذکر کیا ہے اور ساتھ لکھا ہے کہ یہ لوگ قندھار کے منگہ نامی چور کی اولاد سے
ہیں۔ تھوڑا یا بہت مرتبہ جن کو پہنچ چکے ہیں اور سماع کو جائز سمجھتے ہیں۔
اب ہم ان الزامات کی تفصیل میں جاتے ہیں۔

صفحہ ۱۳۲ پر پیر عمر اور پیر چالاک کے ساتھ پیر یابا کی اس ایک ملاقات
کا ذکر یوں کرتے ہیں: "اس وقت افتخاںوں میں ایک قاعدہ بن گیا تھا کہ جب ان
میں ایک عالم فاضل (شیخ و عالم) ظہور میں آتا تو جب تک اس کو وہ میرے اور میرے
پیر کی نظر میں (مباحثہ کیلئے) نہ لاتے یہ لوگ ان کے اقوال و افعال کو نہ قبول کرتے
اس علاقے کے سردار جمع ہو جاتے۔ ہمیں اور اس نو وارد کو بحث اور امتحان کیلئے یکجا
کر دیتے تاکہ کیفیت حال معلوم ہو جائے۔ چنانچہ ایک روز پیر عمر اور پیر چالاک دونوں
بھائی جو خشک افتخاںوں کے پیر ہیں۔ اس طرف آ پہنچے تھے۔ اس علاقہ کے لوگوں نے
انہیں اور ہمارے شیخ کو بلانا چاہا۔ پس ہمارے مخدوم و امام نے ظاہری اور باطنی طور
پر جان لیا کہ وہ کیا کہیں گے۔ کاغذ کا ایک بڑھہ دستارچہ میں لپیٹ کر اور اپنے
ایک مرید کو دے کر کہا کہ میں جب تیری طرف دکھیوں تو اسے مجلس میں پھینک دینا۔
آپس میں ملاقات ہو جانے کے بعد ہمارا شیخ پیر چالاک نے اس جاہل نے علم سے کیا
پوچھوں گا۔ کچھ دیر کے بعد پیر چالاک نے دوزخو ہو کر جیسا کہ جنتیوں اور مفسدوں
کا معمول ہے کہا۔ "آج ایک بڑی بلا آسمان سے زمین پر پہنچی ہے جس کا ایک سرا مشرق
پر اور دوسرا مغرب پر ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ بلا کہاں گئی ہوگی؟" ہمارا شیخ
اس کی بیوقوفی اور گمراہی پر مسکرایا اور کہا۔ "نہ آئی ہے اور نہ تو نے دکھی ہے۔"

اتنے میں اس نے اپنے ایک دوست کو اشارہ کیا جس نے وہ کپڑا مجمع کے بیچ میں رکھ دیا۔ اس وقت ہمارا شیخ بولا کہ زمین سے آسمان تک پانچ سو سال کا پتھر ہے اور آسمان بھی پانچ سو سال کی چوڑائی رکھتا ہے اور زمین کے آسمان سے دوسرے آسمان تک بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ ہر آسمان پانچ سو سالہ راہ کی چوڑائی اور دوسرے آسمان سے پانچ سو سالہ راہ کی دوری پر ہے۔ اس طرح سے ساتویں آسمان تک سات ہزار سال کا سفر بنتا ہے۔ جب تمہاری نظر اس مسافت کو دیکھ سکتی ہے تو اس دستار پھ کو ظاہری اور باطنی نظر سے دیکھ کر تباؤ کہ اس میں کیا چیز ہے۔ اس جاہل بدتمیز نے بنا بر ضرورت (جیسے کہ کہا گیا ہے) وقت ضرورت چوں تماند گرین! دست بگیر و سر ششتر تین فرمایا کہ: اس میں دنیا کے میووں میں سے ایک میوہ ہے۔ جب لوگوں نے فوراً گھول کر دیکھا تو کاغذ کا ایک پرزہ پایا۔ وہ جاہل دونوں جہانوں کی شرمندگی اٹھا کر چلا گیا۔ اب بزرگوں کی باتیں بزرگ ہی جانتیں۔ ہم اس سلسلے میں اسلئے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ اس کوچے سے قطعی تاہلہ میں۔ ویسے یہ ضروری نہیں کہ جو بزرگ ایک وقت میں آسمان کے پار دیکھ سکے اسے دوسرے لمحے آسانی سے نظر آنے والا کپڑے میں پیٹا کاغذ کا ٹکڑا بھی نظر آجائے۔ اسی لئے تو کہا گیا ہے

گئے بر طائر اعلیٰ نشینم گئے بر پشت پائے خود نہ ملیم
یہ واقعہ کب اور کہاں پیش آیا؟ اخوند صاحب نے اس بارے میں کچھ نہیں لکھا معلوم ہوتا ہے کہ وادی پشاور ہی کی سرزمین پر یہ ملاقات ہوئی ہوگی۔ جناب اثر صاحب میرے نام ایک خط میں لکھتے ہیں۔ "حضرت پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ ۹۴۰ھ

۱۵۳۳ء کے قریبی زمانہ میں وادی پشاور تشریف لائے تھے اور ۹۹۱ھ/۱۵۸۳ء میں فوت ہو گئے تھے۔ پیر عمر اور آپکی ملاقات ۹۵۰ھ/۱۵۲۳ء سے پہلے قرار دی جا سکتی ہے۔ یہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے یہ سرسری معلومات ہیں۔ تحقیقی طور پر نہیں لکھا گیا۔ اس میں غلطی ہو سکتی ہے۔ ترمیم و افادہ کیا جا سکتا ہے۔

جناب تقویم الحق کا کاغذ خیل نے جو تحقیق کی ہے اس کے مطابق پیر بابا کی وادی پشاور میں آمد کا زمانہ تقریباً ۵۰-۹۲۹ھ ہے اور بوئیسر سوات جانے کا زمانہ ۵۱-۹۵۰ھ میں کرتے ہیں۔ ساتھ ہی لکھتے ہیں کہ سدوم علاقہ یوسف زئی میں قیام کے بعد صرف ایک دفعہ وہ (پیر بابا) اپنی والدہ کو دیکھنے کے لئے ترمذ گئے تھے۔ اس کے بعد وفات تک وہ اس گاؤں سے باہر نہیں گئے۔

تقویم صاحب اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ جب پیر بابا علاقہ یوسف زئی تشریف لائے تو اس موقع پر ان کے مشہور مرید اخوند درویشؒ ان کے ساتھ تھے اسی طرح یہ بات بھی صحیح نہیں کہ اخوند درویشؒ بابا تنگ ماری و آبرہ میں قیام کے دوران پیر بابا کے مرید ہوئے تھے۔ تقویم الحق صاحب پیر باباؒ اور اخوند درویشؒ کی ملاقات کا زمانہ اندازاً ۶۲-۹۶۰ھ متعین کرتے ہیں۔

اب اخوند درویشؒ بابا ۹۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۹۵۰ھ میں ان کی عمر صرف دس سال ہوگی اور اس وقت تک وہ پیر بابا کے مرید بھی نہیں ہوئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس ملاقات کا ذکر انہوں نے کسی سائی باتوں پر یقین کر کے لکھا ہے حقیقت کیا ہے اس کا علم خداوند پاک ہی کو ہوگا۔ ویسے اخوند صاحب کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنی کتاب تذکرہ میں ایسے ادیب اور مشائخ کا ذکر بھی کرتے ہیں جو اس کتاب کی

تالیف کے زمانے سے ایک سو اور دو سال پہلے ہو گزرے تھے لیکن ان کا ذکر اس
انداز سے کیا گیا ہے جیسے وہ ان کے معاصر ہوں۔ مثال کے طور پر میرداد متی زائے
خلیل ۸۵۰ھ کے زمانے کے ہیں لیکن ان کا ذکر ایسے انداز میں کیا گیا ہے جیسے
وہ ان کے معاصر ہوں حالانکہ میر میرداد کی پانچویں پشت میں ان کا پوتا خواجہ
اور اخوند درویزہ دونوں معاصر تھے۔

دوسری اہم بات اخوند درویزہ کا پیر چالاک کو حنبی اور مفتزی کہنا ہے
یہ الیا خطاب ہے جو اخوند درویزہ نے اپنے ہر مخالف پیر و بزرگ کو دیا۔ مثلاً
شیخ میرداد افغان موتی زئی جن کو "تواریخ حافظ رحمت خانی" کا مصنف "قطب
زمان" لکھتا ہے۔ موصنع لاشوڑہ میں دفن ہیں اور تین ہزار پچاس مریدوں کے
ساتھ قندھار سے لاشوڑہ تشریف لائے تھے۔ اخوند درویزہ نے اس میلداد
خلیل کو کبھی "حنبی پیر" لکھا ہے۔ ان کے ساتھ ان کے مرید ملا میر کو بھی کافر
بتایا ہے (تذکرہ صفحہ ۱۶۹) سرفراز خان عقاب تنگ اپنے مضمون "تواریخ حافظ
رحمت خانی" میں لکھتے ہیں، "اخوند درویزہ" نے تذکرہ میں شیخ میرداد خلیل کا
ذکر اشرار میں کیا ہے۔ صفحہ ۱۶۹ پر ان کو حنبی یعنی کشف جنونی کا مالک بتایا ہے جو
سلوک میں ایک ادنیٰ ناسوتی مرتبہ ہے اور یہ مرتبہ جو اخوند درویزہ کے زمانے میں
عام تھا آج کل کے سجادہ نشینوں کو بھی یہ مرتبہ حاصل نہیں ہے۔

عقاب صاحب نے اپنی تصنیف "پیر سیاک" میں مرتبہ زمین کی یوں تعریف
کی ہے "مرتبہ زمین جسے کشف جنونی بھی کہتے ہیں، طرقت میں ایک ابتدائی، ادنیٰ
اور ناسوتی لیکن ناگزیر منزل ہے۔ اسی منزل میں جنات جو وہ بھی ناسوت میں رہتے

ہیں سالک کو غیب کی خبریں بتلاتے ہیں۔"

پیر سیاک کے بزرگوں کی اہل نسل اور معمولات کے بارے میں مذکورہ کا بیان:
"تذکرہ" اخوند درویزہ نے ۱۰۲۱ھ میں لکھا ہے لیکن اس میں محمود شاہ المعروف
پیر سیاک کا کبھی ذکر نہیں اور نہ ہی اس بیان میں ان کا نام موجود ہے جس میں اخوند
صاحب پیر سیاک کے بڑے بھائی پیر عمر اور باپ دادا شاہ اسماعیل، ابوبکر اور
میر علی کا ذکر کرتے ہیں۔ حالانکہ پیر سیاک ان کے معاصر تھے اور وادی پشتاور میں
ان کے نزدیک ہی رہتے تھے۔

اب ہم مذکورہ کے اس بیان کو نقل کرتے ہیں۔ بعد میں ان آراء کا تفصیلاً
جائزہ لیں گے جو اخوند صاحب کی اس تحقیق پر مختلف اوقات میں ظاہر کی گئیں
تذکرہ کے صفحہ ۸۳-۸۲ پر یوں لکھا گیا ہے:-

"خواجہ افغانان ژردونی کا مذہب جبریت تھا۔ وہ تارک صوم و صلوة تھا اور
کئی قسم کے منہیات کرتا تھا۔ خدا کی اس پر ولعت ہو۔"

اپنی لوگوں اور ان کے خلفاء سے سنا گیا کہ قندھار میں منگہ نامی ایک چور نے
لاف ماری تھی کہ میری پلٹھ سے پیر پیدا ہونگے اسلئے اس کی اولاد مثلاً شاہ اسماعیل
میر علی، ابوبکر اور عمر نے پیری کا دعویٰ کیا اسلئے کہ تھوڑا یا بہت مرتبہ زمین تک
پہنچتے تھے اور تنگ افغان لوگ سب کے سب ان کی طرف رجوع رکھتے تھے۔

بلکہ خدا اور رسول کو نہیں پہچانتے اور انہیں پہچانتے ہیں اور ان پر مال و جان
قربان کرتے ہیں۔ ان کی روش یہ ہے کہ دت، بانسری اور اسی قسم کے اور آلات
ملا ہی سنتے ہیں اور ان پر قرض کرتے ہیں اور اسے حلال جانتے ہیں اور دعویٰ

کرتے ہیں کہ اس چیز کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر شریعت محمدی سے زائد جائز کر دیا ہے۔ اور یہ ہوش ہو جاتے ہیں اور وحید میں آجاتے ہیں اور علم غیب بیان کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص کو نوازا اور فلاں آدمی کو معزول کر دیا اور فلاں کو ہم نے نقصان پہنچایا۔ ان کے کفر سے خدا کی امان کیونکہ ایسا دعویٰ کرنا کفر ہے جیسا کہ ”مجموع لکھی“ کی عبارت سے لکھا گیا ہے اور یہ لوگ حجت پیش کرتے ہیں کہ ہوائے نفسانی کے ساتھ سرود بجانا حرام ہے اور ہوائے نفسانی کے بغیر حلال ہے۔ ان کے فاسد خیال سے اللہ کی پناہ کیونکہ اگر ہوائے نفسانی کے بغیر حلال ہوتا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ابتلیت (آزائش، بل میں پڑنا) نہ کہا ہوتا۔ وَالْاِبْتِلَاءُ بِالْمَحْرَمِ لِيَكُونَ حَرَامًا مَّا كَانَتْ مِنْ قَبْلُ۔

دینا حاصل کرنے کے لئے اطراف عالم میں شہر، شہر اور گاؤں بہ گاؤں پھرتے ہیں اور ہر گھر میں اسلئے دف بجاتے ہیں اور ناچتے ہیں کہ لوگ انہیں کچھ دیں تو کیونکہ اہل ہما نہ ہونگے۔ پس یہ جھوٹوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہیں۔ اور ان کے اس افتراء سے تو ان کے بڑے باوا کی چوری بہتر تھی کیونکہ چوری کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا جب تک اسے حلال نہ سمجھے اور افتراء کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے۔ اس سے خدا کی پناہ۔

انخوند صاحب کے مندرجہ بالا بیان سے دو باتیں سامنے آتی ہیں :-

(۱) پیر سیاک کے اجداد میں سے ایک منگہ نامی تھے جسے شمس الدین نے یہ نام

”منگہ پیر“ لکھا ہے جو تندر میں رہتا تھا اور چوری کرتا تھا۔

(۲) یہ بزرگ وجد، سماع اور دیگر آلات مزامیر کے قائل تھے۔

ان ہر دو اجزاء کے بارے میں وقتاً فوقتاً بزرگوں نے جو آراء ظاہر کیں وہ درج ذیل ہیں :-

(۱) ”قصۃ المشائخ“ میں انخوند شیخ کی زبانی ”تذکرہ“ کے بیان کی جس طرح تردید کی گئی ہے وہ آپ انخوند شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے بیان میں پڑھ چکے ہیں اسی موضوع پر مصنف ”مناقب زین الدین“ لکھتے ہیں :- ”ایک محتر شہسوار نے جو اپنے وقت کا عالم اور عادل تھا، مجھ سے کہا کہ میں نے وہ تذکرہ جو انخوند درویش نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ دیکھا ہے۔ دیکھا ہے۔ دیکھا ہے۔ دیکھا ہے اور پڑھا ہے لیکن میں نے وہ بخت نہیں دیکھی جس میں انخوند صاحب، شاہ اسماعیل، شاہ ابابکر، اور حضرت پیر سیاک کا گلہ کرتے ہیں اور جو دیگر تذکروں میں کہتے ہیں کہ لکھا ہے یہ اس کے علاوہ نہیں کہ اس خاندان کے چند دشمنوں نے محض جھوٹ افتراء سے بوجہ عناد اور حسد تیار کیا ہے اور انخوند درویش کی کتاب میں لکھ دیا ہے۔ اسلئے کہ وہ اپنے عہد کا مجتہد گزرا ہے اور جب اس کی کتاب میں لکھا ہوا ہوگا تو ترویج و دراج پائے گا۔ اور میرے خیال میں یوں گزرتا ہے کہ اس نے کتاب کا وہ نسخہ موضع سر ہند میں اس گاؤں کے انخوند زادوں کے پاس یاد کیا تھا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کیونکہ اس بات کو گزرے بہت عرصہ ہوا ہے اور دیکھتے نہیں ہو کہ حاسدین دشمنی کی وجہ سے مولانا درویش پر بھی جھوٹ اور افتراء باندھتے ہیں۔ کہ شریعت میں چار سے زیادہ حرہ عورتوں سے نکاح حرام اور جائز نہیں۔ اور حال یہ ہے کہ ”ارشاد الطاہرین“ (انخوند درویش) کی ایک مشہور تصنیف میں لکھا ہے کہ دس حرہ عورتوں کو جائز کہا ہے اور آئیہ کریم میں مرتب آیا ہے: ”تو نکاح کرو ان عورتوں کے ساتھ جو تمہیں پسند

ہوں، دو تین اور چار" تو یہ مسئلہ چار ہندسوں میں ایک میں بھی صحیح نہیں ہے تو
 اخوند درویشہ رحمۃ اللہ علیہ اتنے بے علم تھے کہ آیت کریمہ سے بے خبر تھے تو معلوم
 ہوا کہ جھوٹ لایا گیا ہے انہوں نے نہیں کہا ہے۔

اب اخوند خجندیہ کا یہ کہنا کہ اخوند درویشہ نے اہل عرض کے کہنے پر بالتحقیق
 لکھا ہے پر سبحت آپ بعد میں پڑھ لیں گے۔ جہاں تک اخوند درویشہ کی کتابوں میں
 تحریف کی بات ہے تو یہ امر متفقہ ہے بقیوم الحق صاحب "مخزن" کے دیباچے میں
 لکھتے ہیں: "ان کی (اخوان درویشہ کی) تین مشہور کتابیں مخزن اسلام، ارشاد
 الطالبین اور تذکرۃ الابراہیم والاثر اللہ یقیناً ۱۰۱۲ھ اور ۱۰۲۱ھ کے درمیان لکھی گئیں۔
 کتاب ارشاد المریدین کے بارے میں بھی یہی اندازہ ہے۔ یہ سب کتابیں ان کے بڑے
 بیٹے عبدالکریم صاحب نے دوبارہ مرتب کی ہیں اور عام کی ہیں اور ہر کتاب میں کچھ
 نہ کچھ اضافہ کیا گیا ہے۔"

(۲) "مناقب زین الدین" میں فضل حسین ولد عبدالصمدانی نے خواجہ رنگ کے
 جو اشعار نقل کئے ہیں ان میں اخوند درویشہ کے التزامات کی تردید کرتے ہوئے لکھا
 ہے کہ اخوند درویشہ نے سماع اور پیر صاحب کے ہر گونے کے بارے میں جو کچھ لکھا
 ہے وہ قول ضعیف اور قابل اعتبار نہیں ہے۔ یہاں پر رنگ کے یہ اشعار درج
 کرنا نامناسب نہ ہوگا:-

گفت درویشہ سماع از مردم است ضعیف قول اور ثابت عمل گم است
 گرچہ درویشہ لغت کردہ بس نیت سالم از زبانش، بیخ کس
 گر فرشتہ بر سماور آدمی نیت شانرا از زبانش بیخمی

مثل مار خفتہ در راہ بود
 سر بر آورد پیش او بہر گزید
 بر ہمہ سادات و اشراف جہاں
 گفت درویشہ نے باید شنید
 سر سلطان در کین آدم است
 گفت درویشہ کہ مثلہ نام درد
 تاجہ گفت آن درد کہ اولاد من
 بعد من از نسل من ظاہر شوند
 چونکہ بگذشت از جہاں و بعد از ان
 شد پدید از نسل و اولادش جہاں
 بہت ز اولادش ہمہ پیر و امیر
 میر علی شاہ اسمعیل شد
 در ہمہ قوم تنگ بر حکم شان
 جان دمال خود فلائے شان کنند
 حب ایٹان فرض میداند بسی
 نسبت سے ایٹان مگر باشد عیول
 تا ہم اینجا قول آن درویشہ بود
 من علیکم پردہ یکشایم نہ راز
 سر کہ او درد متاع دجان بود

چوں بر ظلمت نزد او کسی بگذرد
 از گزید خلق شادان ہچو عید
 کہ وہ تہمتہا بہ ایٹانے لسان
 بلکہ زد پویند خود باید برید
 جملہ اہل اللہ ز کمرش در غم امت
 بستو اورا تا یابی عام مزد
 پیرد اہل اللہ شتوند اندر زمن
 راہبران و پیر وقت خود شوند
 بود فرزندان او را بیگماں
 آیتناں کہ گفتہ می بودش جواں
 بہت تقریر لسان آن فقیر
 عمر د بو کمر ہم بے قیل بود
 خورد و نوشیدن حرام و مستدان
 تہو ایٹان پیشکش ما میرند
 الفت و تخلیط شاں یا بیچکس
 از نشت او شوند ایٹان نمول
 از عیولش دست و خم لبر تہ بود
 گوش کن نزدیک من بگذار آرز
 قول و فعلش را کجا امکان بود

کہ ہاں گروہ کہ او گوید بخلق
قول او چون صادق آید بے دلیل
چونکہ زرداں را چنین عادت بود
ایں چنین کس بگماں باشد ولی
ایں کرامت گشت ثابت زرد را
ذم زرد ویرا برنش مدح گشت
ہست ثابت تاہیں دورائے عزیز
جملہ مذکور را بے ریب و شک
فانداں جلد ایشان صحیح
سنی و لاتانی و عالم بدند
بودشان علم و کرامت بے شمار
توجہاں :- اخوند درویش نے سماع کے متعلق جو کچھ کہتا ہے یہ قول ضعیف بلکہ
گمراہ کن ہے۔ اگرچہ اخون درویش نے تنقید کی ہے۔ اس کی زبان سے کوئی بھی محفوظ
نہیں ہے۔ فرشتے آسمان میں اور آدمی زمین پر، اس کی زبان سے بے غم نہیں ہیں۔
سانپ کی طرح راستے میں پڑا ہوتا ہے جب اندھیرے میں کوئی گزرتا ہے۔ گزرنے والے
پر سراٹھا کر کاٹتا ہے۔ لوگوں کے کاٹنے سے خوش ہوتا ہے۔ اس نے اپنی زبان سے
سارے سادات اور اشراف پر تہمت لگائی ہے۔ درویش کی بات متنازع نہیں چاہئے
بلکہ ایسی چیز کی سیخ کنی کرنی چاہئے۔ شیطان کی طرح چھپا ہوا مارا آستین ہے
تا۔ ادویاء اللہ اس کے مکر سے پریشان ہیں۔ درویش نے کہا کہ سنگہ ایک چور کا نام

تھا۔ اس کی بات سنو تا کہ عام ثواب پاؤ۔ اس چور نے کہا کہ میری اولاد سے پیر اور
اللہ والے پیدا ہونگے۔ میرے بعد میری نسل سے ایسے لوگ پیدا ہونگے جو اپنے
دقت کے رہبر اور پیر ہونگے۔ جب وہ دنیا سے چلے اور بیشک اس کے بیٹے تھے۔
اس کی پشت سے ایسی ہی اولاد ہوئی جیسے کہ اس نے کہا تھا۔ اس کی اولاد سے
تمام پیر و امیر پیدا ہوئے، یہ اس فقیر کا کہا ہوا ہے۔ میر علی اور شاہ اسماعیل پیر و رہنما ہوئے
اسی طرح عمرو یوکر بھی بیشک ہوئے۔ ان کے حکم سے سب قوم خشک پر کھانا پینا حرام تھا۔
خشک ان پیر اور مال قربان کرتے ہیں اور ان کے پاس تحائف لے جاتے ہیں۔
ان کے ساتھ محبت فرض جانتے ہیں۔ پیر کی محبت میں کسی اور کو شریک نہیں کرتے۔ ان
کی نسبت پیر کے ساتھ خیال کی طرح ہوتی پیر کی مجلس میں ہتمول ہوتے۔ پھر بھی پرانا
اٹوند درویش کا کہنا تھا۔ ہاتھ اور منہ عیبوں سے بھرے ہوئے تھے۔ میں تمہارے لئے
راز سے پردہ اٹھاتا ہوں، میری بات سنو جس کو چھوڑ دو۔ وہ آدمی جو جان و مال کا
چور ہو اس کے قول فعل کا اعتبار۔ کہ ویسا ہوگا جیسا کہ وہ لوگوں کو کہتا ہے۔ بس دلی
ہے خواہ اگر درویش کے جامہ میں کیوں نہ ہو۔ اس کی بات کیوں سچی ہو کہ اس کا نام تیر و دل
کے چور ہے۔ جبکہ چوروں کی عادت یوں ہو کہ ادویاء کے چلے میں پھریں۔ ایسا آدمی
نور بخود دلی ہوتا ہے خواہ فاروقی ہو یا علوی۔ یہ کرامت چور کی ثابت ہوتی۔ ثواب کے
منکر کا قول سنو۔ چور کی مذمت اس کے لئے تعریفین جاتی ہے۔ بیشک لعنت
مدح جی۔ اس زمانے تک اسے عزیز تیر ثابت ہو چکے ہیں۔ علم و فضل، کرامات اور تیز
بیشک یہ تمام مذکور باتیں ان کی فضیلت اور کرامات پر دلالت کرتی ہیں۔ ان کا سب
خانہ دان صحیح ہے۔ مردار نور پزندہ ہے جو شک کرے اور بڑا ہے۔ سنی تھے اور لاتانی

عالم تھے۔ لوگوں کی مشکلیں حل کرتے تھے۔ علم اور کرامات ان کے لئے بہت اور بے اندازہ تھی۔

خواجہ ملنگ کے ان پر لطف اشعار کے بعد ہم اخوند درویزہ کے الزامات کے بارے میں محترم عقاب خشک کی رائے لکھتے ہیں جو انہوں نے اپنی تصنیف ”پیرسیاک“ میں بیان کی ہے۔

”منگہ چور کا قصہ محلِ توقف ہے۔ ایک طرف تو اس کے راوی تارک موم و صلوٰۃ اور ہرقم کے مہربان کرنے والے غیر ثقہ لوگ ہیں۔ اگرچہ ان کا ناقل اخوند صاحب ہے کیونکہ نہ تو ان لوگوں کا قندھار سے آنا ہی ثابت ہے اور نہ ان کے شجرے میں منگہ کا نام آتا ہے لیکن ان کے شجرے پر زیادہ اعتماد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کی مختلف نقلوں میں پانچ بیسیوں کا فرق ہے... لیکن اگر منگہ چور کی بات سچ ہو تو بھی چنداں مضامین کی بات نہیں ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ منگہ سید تھا؟ اگر وہ چور تھا تو کیا چور کی اولاد کا نیک بن جانا مستحسن ہے؟..... اب رہا ان کے معمولات: سو اس کے متعلق نظریے مختلف ہیں۔ اگر شریعت کی رو سے دیکھا جائے تو بھی اخوند صاحب کی بعض باتیں جس کے ان ناقابل قبول ہونگی مثلاً یہ کہ دف وغیرہ کا جانا۔ اخوند صاحب تو اسے اپنی کتاب ”تذکرہ“ کے صفحہ ۸ پر ناجائز اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دف سننے کے قصے کو مگرا ہوں اور کفار کی اختراع کہتے ہیں۔ حالانکہ اکثر اہلسنت والجماعت دف سننے کو جائز قرار دیتے ہیں..... اس بحث کو طول دینے بغیر ہم آنا لکھنے کی جرأت کرتے ہیں کہ پیرسیاک کے زمانے میں طریقہ ہرودید میں وہ باتیں آگئی تھیں جنہیں اخوند صاحب نے ناپسند فرمایا ہے..... میر علی اور شاہ اسمعیل کو تو یقیناً اور

ابوبکر کو بھی غالباً اخوند درویزہ نے دیکھا تاکہ نہ تھا۔ اس لئے ان کے متعلق تو جو کچھ لکھ گئے ہیں وہ تو سنی سنائی اور ناقابل قبول باتیں ہیں۔ پیرسیاک اور عمر کے متعلق یہ لکھنا کہ وہ قصور یا بہت مرتبہ جن ”کو پہنچے تھے ان کی عظمت کی دلیل ہے۔ اور چونکہ اس زمانے میں اخوند صاحب کے مخالف پیرروشان کی تحریک زوروں پر تھی جس کی کاروائیوں کو اخوند صاحب غیر اسلامی سمجھتے تھے۔ اس لئے اخوند صاحب نے اپنی تحریروں میں ذرا سختی سے کام لیا ہے اور علم کی کمی اور شریعت کی حد سے زیادہ پابندی کی وجہ سے کچھ انوکھی باتیں بھی لکھ گئے ہیں.....“

اس بارے میں قاضی عبدالحمید اثر افغانی کا خیال اور نظر یہ بھی دیکھیے سے عالی نہیں راقم الحروف کے نام ایک خط میں وہ جناب عقاب خشک کی رائے سے یوں اختلاف کرتے ہیں: ”حضرت سید ابوبکر اسمعیل، پیر عمر، میر علی کے متعلق اخوند درویزہ بابل نے جو کچھ لکھا ہے کتاب تحفۃ المشائخ کے مؤلف خواجہ محمد زاہد نے اس پر جو بحث کی ہے وہ پڑھنے کی ہے۔ بہ نسبت سے خواجہ محمد زاہد کے بیان کو عزیز می عقاب خشک نے اپنی نا سمجھی سے الجھا دیا ہے“

اس سے پہلے قاضی اثر صاحب اپنے ایک مکتوب میں اخوند درویزہ کے بارے میں خواجہ محمد زاہد کے اس بیان کی کہ ”اخذ درویزہ نے اہل غرض کے کہنے پر بغیر تحقیق کے لکھا ہے“ تو تنبیہ یوں کرتے ہیں:-

”حضرت قوث الخلائق قطب الارشاد قطب تکوین اخوند درویزہ کو یہ اطلاع فراہم کی گئی تھی کہ سید ابوبکر ابن اسمعیل اہل بدعت میں سے ہیں۔ انہیں اسمعیل کے باپ کا نام نہ لکھنے سے پلایا ہوا۔ ایک دوسرے سید اسمعیل بھی اس زانہ میں سید ابوبکر

کے والد سید اسماعیل ابن امیر علی المعروف گدائی کے معاصر تھے اور ان کا نام تھا اسماعیل ابن خلیل اللہ ابن سرمست۔ یہ اسماعیل بن خلیل اللہ اہل تشیح میں سے تھا اور اس کا سلسلہ نسب وادی کرم بخینی کے موضع کرمان کے مشہور پیر حضرت ابو الحسن فخر عالم تک پہنچتا ہے آپ کو علم ہے کہ یہ خاندان اب بھی اہل تشیح سادات کا خاندان ہے اگرچہ اس کے مشاہیر سادات ماضی بعید میں اہل سنت والجماعت کے مسلک کے پیڑگار بھی رہے ہیں جیسے سید امیر علی ہمدانی عرف امیر کبیر شاہ ہمدانی وغیرہ۔ اب سید اسماعیل ابن خلیل اللہ کو اسماعیل ابن امیر علی فرض کیا گیا اور باوجودیکہ سید اسماعیل ابن خلیل اللہ کا شجرہ نسب سیدین الامم امین امام علی زین العابدین تک پہنچتا ہے۔ اس اسماعیل ابن خلیل اللہ کو پیر سید بن خلیل کی نسل سے بنا دیا گیا۔ وجہ یہ کہ اس دوران میں جس میں سید اسماعیل ابن امیر علی۔ سید اسماعیل ابن خلیل اللہ زہرہ تھے۔ اس زمانہ میں سید ابو سعید ابوالخیر محسنی جن کا جغرافیائی نسبتی نام ہنسکی ہے جو غزنی کے مضافات میں ایک گاؤں کا نام ہے۔ اس ہنسکے (ہنسک) کے نام سے موسوم سید ابو سعید ابوالخیر ہنسکی کو منگہ چور بنا دیا گیا اور تقریب یہ تھی کہ اس سید ہنسکی محسنی کی نسل میں سادات کا جو خاندان کوٹاٹ میں آباد تھا اس میں بھی ایک سید کا نام اسماعیل تھا اور وہ اپنے جلا مجد سید ابو سعید ہنسکی کے نام کی مناسبت سے اسماعیل ہنسکی کے نام سے یاد کئے جاتے تھے اور تب۔ (۱) سید اسماعیل ابن امیر علی گدائی کو (ب) سید اسماعیل ابن خلیل اللہ فرض کیا گیا (ج) اور تب اسماعیل ابن خلیل کو اسماعیل ہنسکی کے نام سے گڈ ٹک دیا گیا اور اس طرح تاریخ میں التباسات اور اشتباہات کا ایک گورکھ دھند بنا دیا گیا حضرت سید اسماعیل ہنسکی محسنی جو حضرت سید ابی سعید ابوالخیر محسنی ہنسکی کی نسل سے ہیں اور خود حضرت سید ابی سعید ہنسکی حضرت سید علی ہجویری و تاج گنج بخش کے چچا زاد بھائی اور استاد اور شیخ ہیں

اس اسماعیل ہنسکی کا حزار شہر کوٹاٹ میں قلعہ کی تفصیل سے جنوب مشرق کی طرف بربل سرک واقع ہے۔ راقم الحروف عبدالحلیم اثر کو ان کا شرف تیا ز حاصل ہے۔ یہ ہے ہنسکی اور ہنسکی دونوں ناموں کی حقیقت۔ ہم نے اپنی تالیف حسنی سادات میں جو گیارہ ابواب، ایک دیباچہ اور ایک مقدمہ پر مشتمل ہے اس کے پہلے باب میں اس موضوع پر سید ابو سعید کے ذیلی عنوان کے تحت تفصیلی بحث کی ہے۔ (مکتوب عبدالحلیم اثر مورثہ ۳/۴/۲۱)

اخوند صاحب کے الزامات کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ پہلے تو ہمیں اردو قبیلے کا تعین کرنا ہے۔ یہ شاید زردان یا اجدران قبیلہ ہے جو کرلائی ہیں اور علاقہ خوست کے انتہائی جنوب میں آباد ہیں۔ بعد کے زمانے میں لاکھنؤ الدین نے اپنی تصنیف ”مناقب فقیر صاحب“ میں پیر سیک اور ان کے اجداد کو ”تذکرہ“ کے حوالے سے خوگیانی اور رافضی لکھا ہے۔ خوگیانی ایک دوسرا قبیلہ ہے جو علاقہ خوست کے شمال میں جلال آباد تک پھیلا ہوا ہے۔ عقاب صاحب نے ”حیات افغانی“ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابتدا میں سارا علاقہ خوست خوگیانیوں کے قبضے میں تھا۔ اب جب ہم پیر سیک کے دادا شاہ اسماعیل کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہو گا کہ وہ (شاہ اسماعیل) اپنے پیر کے حکم پر پلٹان سے خوست تشریف لائے اور وہیں پڑ بہرہ قبیلے کے ایک ملک کی بیٹی سے شادی کی جو خوگیانیوں کی ایک شاخ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شاہ اسماعیل خود خوگیانی نہ تھے بلکہ خوگیانیوں میں آباد ہو گئے تھے۔ اب خوگیانیوں کے ملک یا سردار اس بارے میں کیا کہتے ہیں تو اس کے لئے ہمیں علاقہ خوست جانا ہو گا جو موجودہ سیاسی صورت حال میں ناممکن ہے۔ ویسے بھی ان سرداروں کو اخوند صاحب نے تارک صوم وصلوۃ اور دیگر منہیات کرنے والا لکھا ہے۔ نہ جانے انہوں نے ان کی شہادت پر کیسے اعتبار کر لیا۔

آتے ہیں اس مفروضہ کی طرف کہ پیرساک کے اجلا و شیعہ تھے۔ تو یہ بات بھی
 اخوند صاحب سے منسوب کی گئی ہے جس نے ان کی تصنیف تذکرہ کا حوالہ دیا ہے
 لیکن تذکرہ میں نہ تو ان کے اجلا و کو خوشگامی کہا گیا ہے اور نہ ہی ان کو شیعہ مسلک سے
 وابستہ بتایا گیا ہے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اخوند صاحب نے سنی سنائی باتوں پر یقین کر لیا
 تھا دیکھ لیا وہ صحیح حوالہ نہیں دیتے اور "سماع است" سے روایت کا آغاز کرتے ہیں
 اس کے برعکس شاہ اسماعیلؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو چار اہتمامات عرض
 کرتے ہیں اور جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبول فرماتے ہیں ان میں ایک
 درخواست یہ ہے کہ میری اولاد میں سے کوئی رافضی پیدا نہ ہو۔

آتے ہیں اخوند صاحب کے دیگر الزامات کی طرف کہ زینرگ دف اور بانسری
 اور ان قوم کے دیگر آلات ملاہی سنتے ہیں اور ان پر ناجتے ہیں اور اسے حلال سمجھتے ہیں۔
 جہاں تک شاہ اسماعیلؒ، شاہ ابوبکرؒ اور پیر عمرؒ کا تعلق ہے تو ہم اس بارے میں
 کوئی ثبوت نہیں رکھتے کہ ان کے معمولات کیا تھے۔ ہاں پیرساک کے حالات میں ایک واقعہ
 کا ذکر آتا ہے کہ جب کا صاحب انہیں دیکھنے گئے تو وہ وجد میں آگئے۔ یہ روایت
 فقیر جمیل بیگ کی ہے جس کا ذکر قبل ازیں ہو چکا ہے۔

اب یہ تینوں بزرگ طریقہ عالیہ سہروردیہ سے منسلک تھے لیکن اس کے ساتھ وجد
 تو اجلا و سماع کے بھی قائل تھے۔ عیادعلیم بابا کا صاحب کے متعلق لکھتے ہیں۔
 "ابتداءً حال میں آپ کبھی کبھی سماع سنتے تھے اور وجد کرتے تھے۔ آخر حال میں صرف
 غرض الحاقی بغیر از دف وغیرہ آلات ملاہی بہت سا کرتے تھے۔" نیز فقیر جمیل بیگ
 متعلق یہ بات ثابت ہے کہ وہ سازندوں کا ایک گروہ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

اب کا صاحب اور پیرساک کی ملاقاتیں اس وقت ہوئیں ہیں کا صاحب
 کے ابتدائے حال کا زمانہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس خاص واقعہ کا ذکر کا صاحب
 نے اپنے خلیفہ فقیر جمیل بیگ سے اس لئے کیا کہ وہ طریقہ سہروردیہ کے بزرگوں کے
 احوال میں وجد و سماع کی مثالیں دے رہے تھے۔

ایک انتہا پسند نظریہ یہ ہے کہ طریقہ سہروردیہ کے اکثر مشائخ سماع کے
 خلاف ہیں اور اگر اس طریقہ کا کوئی پیروکار ناچ گانے کا ارتکاب کرے، ذکر چہرے سے
 کام لے تو اس کے باطنی احوال سلب ہو جاتے ہیں وہ فقر کے جس مقام پر بھی ہو وہاں
 سے گر کر تباہ ہو جاتا ہے، اس طریقہ عالیہ کے بانی شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی
 تالیف "عوارف المعارف" میں عشاء کو مذاہب اربعہ کی رو سے حرام قرار دیا گیا ہے۔
 میرے نام ایک خط میں شہور عالم محمد سعید شاہ پھولوری صاحب سلسلہ سہروردیہ
 میں وجد اور تواجد کے موضوع پر لکھتے ہیں :-

"یہ درست نہیں کہ سلسلہ سہروردیہ میں وجد و تواجد ممنوع ہے۔ زیادہ سے
 زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں تپتیوں جیسا اہتمام سماع نہیں۔ اس کے لئے میری
 کتاب "اسلام اور موسیقی" ضرور دیکھئے۔

لہذا میں حضرت بہاء الدین زکریاؒ، ان کے صاحبزادے رکن الدین زکریاؒ اور
 پوتے صدر الدین سہروردیؒ ہی میں عراق کے علاوہ صوبہ بہار، صوبہ بنگال اور چارنگام
 و سلہٹ وغیرہ میں بکثرت یہ سلسلہ جاری و ساری ہے اور تقریباً یہ سب کے سب صاحب
 سماع و وجد ہیں صوبہ بہار کے پٹنہ، عظیم آباد، ڈوئین میں ایک بہت مشہور جگہ ہے۔
 "بہار شریف" جہاں محمود الملک شیخ شرف الدین احمد بھٹی مینرن (صاحب کتبہ ہندی)

آرام فرما ہیں۔ یہ پورے صوبے کے قطب مانے جاتے ہیں اور آپ کی سہروردی خانقاہ کو سبوز مرکزی حیثیت حاصل ہے اور یہ سب کے سب صاحب وجد و سماع ہیں اور یہ تو ایک علم ہی ہو گا کہ راگ ملتانى و ہنسا سرى کے موجد حضرت بہاء الدین زکریا ملتانى ہیں۔ پھر یہ بھی سمجھنا صحیح نہیں کہ خلاص طریقے میں سماع و وجد نہیں۔ اس کا تعلق طریقے سے نہیں بلکہ طبعی ذوق سے ہے۔ جامی نقشبندی ہیں اور سماع کے ریا ہیں۔ اہل پھلوارى شریف قادری ہیں اور صاحب سماع و وجد ہیں۔ اس طرح سہروردیوں میں بے شمار حضرات صاحب سماع و تواجید ہیں۔

محترم پھلوارى صاحب کے اس فاضلانہ خط کے مندرجہ کے بعد اب ہم ان بزرگوں کا ذکر کریں گے جو طریقہ عالیہ سہروردیہ کے اکابر و مشائخ میں سے تھے لیکن وجد اور سماع کے بھی قائل تھے۔

حضرت ابو الخدیج عبدالقادر سہروردی
یہ اکابر محدثین و محققین میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ مدتوں

مدرسہ نظامیہ بغداد کے پرنسپل رہے۔ روحانی دنیا میں سلسلہ شہابیہ سہروردیہ اور سلسلہ کبرویہ فردوسیہ کے سرخیل ہیں۔ آپ نے اپنی کتاب "آداب المریدین" میں سماع بلکہ وجد و قنص پر بھی بحث کی ہے۔ اس کے خاص آداب و شرائط کے ساتھ آپ نے اسے مباح قرار دیا ہے۔ اور کتاب و سنت اور اقوال سلف سے اسے ثابت کیا ہے۔ پھر بعض مشائخ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ یہ اہل حقیقت و معرفت کے لئے مستحب ہے۔ اہل تقویٰ کے لئے صرف مباح ہے اور اہل نفس کے لئے مکروہ۔ تواجید و قنص کے ذکر میں حضرت جعفر طیار کا وہ واقعہ نقل کیا ہے جو بہت ہی اور ابوداؤد وغیر ما

نے روایت کیا ہے کہ حضور نے ان سے فرمایا کہ اشیہت خلقی و خلقتی (تم سیرت و صورت میں مجھ سے مشابہ ہو تو جعفر طیار حجل یعنی دور کرنے لگے۔ اس اباحت و استحباب کے باوجود آپ کے سلسلے میں بہت سے شیوخ طریقت ایسے بھی گزرے ہیں جو سماع سے پرہیز کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کے ذوق کے مطابق نہ تھا اور اس سے وہ کوئی روحانی فائدہ حاصل نہ کر سکتے تھے۔

حضرت نجم الدین کبریٰ
یہ شافعی محدث و فقیہ ہیں۔ سہروردیہ کبرویہ طریقے کے سرخیل آپ ہیں۔ آپ نے امام اعظم کے جامعین میں ہیں۔ اپنے وقور علم و تقویٰ کے باوجود صاحب سماع و وجد تھے آپ کو پھلوارى فیض عین حالت سماع ہی میں حاصل ہوا تھا۔

شیخ بدر الدین سمرقندی
یہ بھی سلسلہ کبرویہ کے اکابر علمائے حنفیہ میں سے ہیں۔ یہ بھی صاحب سماع و وجد تھے اور چنگ سنتے تھے۔

شیخ سیف الدین باختری
یہ شیخ بدر الدین سمرقندی کے مرشد اور حضرت نجم الدین کبریٰ کے اجل خلفاء میں ہیں۔ یہ بھی مزامیر کے ساتھ سماع سنتے تھے۔

حضرت معین الدین چشتی کے بارے میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی فرماتے ہیں کہ آپ کی محفل میں شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ محمد کرمانی، شیخ محمد مصفاہانی، شیخ بریلان الدین چشتی اور مولانا بہاء الدین دیرہ بہت سے مشائخ کبار شریک ہوتے تھے۔ خواجہ غریب نواز کا قول ہے کہ سماع اسرار حق معلوم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

جہاں تک امام اعظم کا سماع کو ابتلاء کہنے کا تعلق ہے تو اس بارے میں حضرت نظام الدین اولیاء کا ایک واقعہ درج کرنا دلچسپی سے خانی نہ ہوگا۔ حضرت نظام الدین اولیاء صاحب سماع ہی نہ تھے صاحبِ رقص و وجد بھی تھے۔ ایک بار آپ کو عدالت کے کٹہرے میں بلایا گیا کہ جواز سماع کو ثابت کریں۔ آپ نے صحاح و سنن کی چند احادیث پیش کیں۔ اس پر قاضی نے کہا کہ آپ تو حنفی ہیں۔ امام ابوحنیفہ کا قول پیش کیجئے۔ اس پر آپ کو حلال لگیا اور فرمایا کہ اس قوم پر کیوں نہ خدا کا عذاب آئے جس کے سامنے میں حدیث پیش کرتا ہوں اور وہ ابوحنیفہ کا قول مانگتی ہے۔

ہندوستان میں شیخ بہاؤ الدین زکریا سلسلہ عالیہ بہروردیہ کے بانی تھے۔ آپ نے قبل خانوادہ چشت کا اس قدر غلبہ تھا کہ جو بزرگ بھی اس ملک میں وارد ہوئے اسی رنگ میں رنگ گئے مگر آپ نے اپنی منفرد حیثیت کو قائم رکھا۔

آپ کو اتباع سنت کا بڑا خیال رہتا تھا مگر سماع سے کسی قدر دلچسپی رکھتے تھے (تاریخ پاک و ہند از ایم اے قدوس) شیخ شرف الدین احمدی منیری اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں۔ ”سماع اہل حق کے لئے مستحب، اہل زہد کے لئے مباح اور اہل نفس کے لئے گروہ ہے۔“

غناء اور مزہیر کے متعلق اکابر امت کی مختلف رائیں ہیں جن کو شیخ الاسلام امام تقی الدین سبکی (جو ساتویں صدی میں قاضی القضاة مصر و شام رہے ہیں۔ امام ابن تیمیہ کے معاصر ہیں) نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اپنے بلیغ اشعار میں بیان فرمایا ہے۔ (توحید) اور یہ سمجھ لو کہ تم نے جس آواز (گانے) دف اور رقص کے متعلق دریافت کیا ہے اس میں ہم سے پہلے کے ائمہ کے درمیان اختلاف رہا ہے اور وہ

سب اپنی جگہ شمع ہدایت اور سرداروں کے سردار ہیں۔ اور عارف مشتاق کو اگر اس کا وجد چھوڑ دے اور وہ اس بخود میں گردش کرنے لگے تو وہ قابلِ ملامت نہیں ہوتا بلکہ اس کا کیف قابلِ تعریف ہوتا ہے۔ تو شادہ لذت روحانی جو اسے حاصل ہوتی ہے۔

اگر تمہیں کسی دن یہ کیف ولذت حاصل ہو جائے تو سمجھ لو کہ تم نے ایک بڑا مقصد پایا ہے اور اس معاملے میں فقہیوں کے فتوے سے بے نیاز ہو گئے۔ علیٰ سبکی کی طرف سے جو خود بہت سے پردوں کے نیچے دیا اور حسرت کا مارا ہوا ہے۔ بس آنا ہی جواب ہے تمہارے سوال کا۔

سماع اے برادر گوٹم کچھلیت؟ مگر مستمع را بدنام کہ کیست؟

گر از برج معنی بود سیر او فرشتہ فرو ماند از سیر او

اگر مرد ہو است و بازی دلان قوی تر شود دیوش اندر داغ

اب آتے ہیں انوند صاحب کے اس الزام کے بارے میں کہ ”غیب کا علم بیان کرتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص کو نوازا اور فلاں آدمی کو محزون کر دیا اور فلاں کو ہم نے گزند پہنچایا۔ ان کے کفر سے خدا کی امان۔“

تو غیب کی باتیں انوند صاحب خود زیادہ کرتے ہیں جن کی وجہ سے پیر بابائے انہیں خلیفہ بتانے میں تامل سے کام لیا۔ مشہور شاعر و ادیب امیر حمزہ شتواری چشتی نظامی نیازی مظلہ العالی اپنی تصنیف ”تذکرہ تاریہ“ میں حضرت شیخ علی ترمذی قدس سرہ کے سلسلے کی ایتری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ”سلسلے کی ایتری کا سبب انوند درویش ثابت ہوئے۔ بات یہ تھی کہ جس وقت ملازگی نے انوند درویش کو حضرت

پیر یا با قدس سرہ کی خدمت آدس میں پیش کیا تو ساتھ ہی یہ سفارش بھی کر دی کہ —
 ”براہ کرم اس کو اپنا مرید بنالیں دو وجوہات کی بنا پر۔ اولاً یہ کہ اخوند درویزہ تلا
 ہے اور ثانیاً یہ کہ اس کام کا شوق بھی رکھتا ہے۔ ملازنگی نے یہ گزارش بھی کی تھی
 کہ ”ویسے تو میرے شاگردوں میں اخوند درویزہ سب سے زیادہ لائق ہے لیکن اس
 میں ایک نقب بھی ہے اور وہ یہ کہ پیشین گوئیاں کرتا رہتا ہے۔“ اس آخری جملے کو سنت
 فرما کر حضرت پیر یا با قدس سرہ کے چہرہ مبارک سے ناراضگی کا اظہار ہونے لگا اور
 ارشاد فرمایا ”میں ایسے شخص کو بیعت نہیں کرتا جو پیشین گوئیاں کر کے اپنے آپ کو
 عالم الغیب ثابت کرتا پھرے۔ لہذا اس ملا کو قسمت آزمائی کے لئے کہیں اور چلا جانا
 چاہئے۔“ تھوڑا سا وقفہ گزرنے کے بعد پیر یا با قدس سرہ متبسم ہوئے اور ارشاد فرمایا
 ”ہاں کیوں نہ ہو، پختون لوگ ایسے پیر کو کب مانیں گے جب تک وہ پیشین گوئیاں
 نہ کرے۔“ ملازنگی دوبارہ عرض پر داز ہوا۔ ”حضرت! ملا درویزہ سے میں وعدہ لیتا ہوں
 کہ وہ آئندہ ایسا نہ کرے گا بھرت پیر یا با قدس سرہ نے یہ سماعت فرما کر ارشاد فرمایا
 کہ ”البتہ اس شرط پر میں اسے بیعت کروں گا۔“ غرضیکہ اس کے بعد بیعت کی اجازت
 مرحمت ہوئی مگر اخوند درویزہ نہ صرف یہ کہ بدستور پیشین گوئیاں کرتے رہے بلکہ
 تم بالائے تم یہ کہ بات بات پر اپنے مرشد کو ٹوکتے۔ اور تو اور حضرت پیر یا با
 قدس سرہ کے سامنے تین تعلقے راشدہ رضی اللہ عنہم کی تعریف کچھ اس پیرائے میں
 کرتے جس سے واضح طور پر امام الائمہ حضرت علی شیر خدا علیہ السلام کی توہین اور تحقیر
 ثابت ہوتی۔ حضرت پیر یا با قدس سرہ کو اخوند درویزہ کے قتل سے کوفت ہوتی۔
 باوجودیکہ وہ سنی انجمنی عقیدہ رکھتے تھے اور اگرچہ سنی عقیدہ کی رو سے حضرت شیر خدا

علیہ السلام کا چوتھا درجہ تسلیم شدہ ہے لیکن اخوند درویزہ نے ایسا رویہ اختیار کیا
 تھا کہ اپنی تقریروں میں حضرت علی اسد اللہ الخالب علیہ السلام کو چوتھے درجے
 سے بھی گرا کر اور بھی کم ثابت کرتے۔ اس مخاطبہ کو یادہ ناجین کے قرائض سر انجام
 دے رہے تھے۔ بہر حال اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت پیر یا با قدس سرہ نے ان کی
 تکمیل سے دامن تہی فرمایا۔ اس طرح اخوند درویزہ حد تکمیل تک نہ پہنچ سکے۔
 اور ان کے بعد اس سلسلہ ختم ہو گیا۔“

نالیقہ افغان حکیم ملت افغانیاں خوشحال خان خٹک نے شاید اخوند درویزہ
 کے مکتب فکر کے علماء کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے
 نے چہ داه شہی وائی عذاب دے غیبت چہ کاندے بارے ثواب دے
 غیبت زمانہ بدتر یا دینبری نے منع شوئے پہ کوم کتاب دے
 (ترجمہ) کہتے ہیں کہ بانسری کا بجانا باعث عذاب ہے۔ یہ جو غیبت کرتے ہیں شاید
 ان کی نظر میں یہ ثواب کا کام ہے۔ غیبت کو زمانے بدتر عمل کہا گیا ہے لیکن بانسری
 بجانا کسی کتاب کی رو سے ممنوع ہے۔

اب پیر یا با کی سید میں یا نہیں اس کا علم تو خداوند پاک کی بزرگ و برتر سستی
 کو ہو گا لیکن آج تک کسی بھی محقق نے ان کو غیر سید نہیں لکھا۔ یہاں تک کہ عقاب
 خٹک جیسے بال کی کھال اتارنے والے مؤرخ و محقق نے بھی متفقہ شہادت کی رو سے
 پیر یا با کو بجا ہی سید لکھا ہے۔

قیامت کے دن یہ نہیں پوچھا جائیگا کہ تم کس کی اولاد ہو بلکہ نجات کا دار و
 مدار اعمال صالحہ پر ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو نیک اعمال کرنے کی توفیق

دے اور حسبِ نسب پر بے جا فخر کرنے سے بچائے۔ آمین۔

جہاں تک اتخوند درویزہ کا تعلق ہے انہوں نے دین کی بے حد خدمت فرمائی ہے لیکن شریعتِ مقدسہ کی بے چارہ بندی کے باوجود سطحی باتوں میں الجھ کر رہ گئے۔ اور حقیقی عقیدہ ہونے کے باوجود بعض معاملات میں ان کا نظریہ نامصیوں سے ملتا ہے۔ خوشحال خان ان کی کتاب "مخزن" اور اہل بیت سے ان کی پرغاش کے بارے میں لکھتے ہیں :-

یوحہ کتاب دے درویزہ سرہ جو کرے۔ چہ دسوات خلق تے کہ کل علم دے مور کے نام مقبول جہول بیان پکین بیجا یہ۔ - پکین بدد سید وایہ بیزید ستا یہ (ترجمہ)۔ درویزہ کی بنا ہی ہوئی اس کتاب نے اہل سوات کو جملہ علوم سے دل برداشتہ کر دیا ہے۔ اس کا بیان نامناسب، جاہلانہ اور بے محل ہے۔ اس میں سادات کی ہجو اور بیزید کی مدح درج ہے۔

ہمارے ایک بزرگ جناب محمود حسین شاہ، تحصیل بھکر، ضلع میانوالی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے اپنے پیڑ پر لقیٰ جناب علامہ الحاج سید محمود شاہ صاحب محارث ہزاروی خانقاہ محبوب آباد شریف، جولیسیاں، ضلع بہارہ سے اتخوند درویزہ کے ان الزامات کے بارے میں پوچھا تو علامہ صاحب نے فرمایا۔ "اتخوند درویزہ کا اسے پرا بھلا کہنا ہی اس خاندان کی سیادت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔"

سلسلہ اولاد و احقاد

پیر سبک کے تین بیٹے تھے :-

(۱) پیر فرید الدین۔ (۲) پیر حاجی کن الدین۔ (۳) پیر رحیم الدین۔

بعض شجروں میں رحیم الدین کی بجائے شہاب الدین نام لکھا ہوا ہے۔ تاریخ مرصع میں بھی شہاب الدین کو پیر سبک کا بیٹا لکھا گیا ہے۔ لیکن صحیح تحقیق یہ ہے کہ شہاب الدین، پیر فرید الدین کے فرزند اور پیر سبک کے پوتے تھے۔

پیر فرید الدین

آپ پیر سبک کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد ۱۰۲۵ھ میں گدی نشین ہوئے۔ قاضی عبدالحلیم آثر صاحب ان کے سلسلہ کے طریقیت کے متعلق لکھتے ہیں :- "فرید الدین نور محمد ابن ناصر الدین محمود پیر سبک نے سلسلہ نقشبندیہ میں سید السادات خواجہ بزرگ سید آدم بنوری سے اور سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ میں مولانا اتخوند خجوبابا اور سلسلہ سہروردیہ میں اپنے والد سے بیعت کی تھی۔" آثر صاحب نے سلسلہ عالیہ قادریہ میں پیر فرید الدین کو سید سلیمان گیلانی کا مرید بتایا ہے۔ اسی طرح ان کا سن وفات ۱۰۵۹ھ بمطابق ۱۶۴۹ء متعین کیا ہے۔

حضرت سید فرید الدین نور محمد قدس سرہ اپنے والد بزرگوار حضرت سید ناصر الدین محمود قدس سرہ سے سلسلہ سہروردیہ میں اور حضرت شیخ سید آدم بنوری قدس سرہ سے سلسلہ قادریہ نقشبندیہ مجددیہ میں اور حضرت شیخ عبد الوہاب انخون پنجو بابا قدس سرہ سے سلسلہ چشتیہ میں اور حضرت سید سلیمان گیلانی اور ان کے فرزند حضرت سید یونس گیلانی قدس سرہما (ان دو بزرگوں کے مزارات خادہ تحصیل وضع مردان میں ہیں) سے سلسلہ قادریہ میں مجاز طریقیت ہوئے۔ عرض یہ کہ آپ سلسلہ طریقیت قادریہ نقشبندیہ مجددیہ اور چشتیہ صابریہ اور سہروردیہ پیر فرید الدین کا مزار اقدس نوشہرہ سے راولپنڈی جانے والی سڑک کے کنارے موقع سرٹھی کی ٹھیل کے قبرستان میں واقع ہے۔ اس مزار کی مرمت کچھ عرصہ قبل سید نعیم شاہ نے کی ہے۔

پیر فرید الدین کے چار فرزند تھے: عبدالعزیز - عبدالغنی - نظام الدین - زین الدین
بعض مجرود میں ان کے بیٹوں کے نام اور ترتیب یوں ہے :- زین الدین -

شہاب الدین - عظیم الدین - عبدالعزیز -

شہر صفان ہی نے آباد کیا اور اسے موضع پیرسباک کے نام سے موسوم فرمایا
حکومت وقت کی طرف سے پیر فرید الدین کو جو قبائلہ عطا کیا گیا ہے اس کی عبادت
یوں ہے :-

(ترجمہ) مقصدیاں دعوات اور متعلقین کا لپائی جان لیں کہ چونکہ مشیخت اور
سیادت پناہ شیخ فرید الدین ولد پیرسباک واجب الرعايت میں - مشار علیہ
حکام جان لیں کہ موضع شہر صفان جو کہ ویران ہے اور اس وقت مشار علیہ اسے آباد
کرنا چاہتا ہے اس کو ابتدائے فصل ربیعہ لوی مکر ۱۰۲۵ھ سے بموجب پروانہ
خان دوران ہم نے مرحمت فرمایا - چنانچہ کہ موضع مذکور کو معاف اور فروع القلم
سمجھ کر اس کے سب تصرفات سے چھوڑ دیں کسی وجہ سے بھی اعتراضات اور تکللیقات
دیوانی سے مزاحمت نہ پہنچائیں۔ تاکہ اس کی حاصلات کو اپنے گزارے کے لئے خرچ
کر کے سلطنت کے دوام کی دعا گوئی میں مشغول رہے ...

تحریر بتاريخ ۱۷ ماہ رجب ۱۳۱۱ھ (۱۳ جولائی)

اس قبائے میں سب سے اہم نام "خان دوران" کا ہے۔ ہم کو شش
کرینگے کہ "خان دوران" کے واسطے سے پیر فرید الدین کے زمانے کا صحیح تعین کریں۔

مغلیہ دور میں مختلف نام اور عہدوں کے منصبداروں کو یہ خطاب
دیا گیا۔ امثالاً امراء میں صفحہ ۴۹، (جلد اول) میں خان دوران

خان دوران

نصرت جنگ کے احوال میں لکھا ہے "اس کا نام خواجہ صابر اور وہ خواجہ حساری

نقشبندی کا لڑکا ہے۔ جہانگیر بادشاہ کے زمانے میں اس کو منصب ملا اور دکن
میں تعینات ہوا۔

جب شاہجہان اپنے بیٹے اورنگ سے ناراض ہوا تو بادشاہ نے دکن کا نظام
نصرت جنگ کے سپرد کر دیا جو مالوہ کا حاکم تھا اور ہفت ہزاری ذات اور سات ہزار
سوار کا منصب اور ایک لاکھ نقد دے کر سرفراز کیا۔ یہ ہندوستان کی ملازمت کا
سب سے بڑا اعزاز تھا۔ ۱۶۴۵-۶-۲۱ میں وفات پانگے اور گوالیار میں اپنے
آبائی قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

تاریخ مرصع میں صفحہ ۲۶۲ پر خان دوران کو کابل کا صوبیدار لکھا گیا ہے
جو مرزا حکیم کی وفات (۹۹۳ھ مطابق جولائی ۱۵۸۵ء) کے بعد صوبیدار کابل بنا۔

بعد میں صفحہ ۲۵۲ پر "جہانگیر نامہ" کے حوالے سے لکھا گیا ہے "جہانگیر کے
جلوس کے چھٹے سال یعنی ۱۰۲۰ھ میں جب اھلاد کا واقعہ پیش آیا تو خان دوران
اپنے بہت سے سپاہیوں سمیت اس وقت ننگر پار اور نگیش کی حدود میں تھا۔"

اب جیسے کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے جہانگیر اپنی تخت نشینی سے دو سال قبل
زمانہ شہزادگی میں غالباً مارچ ۱۶-۱۷ء مطابق ۱۰۱۲-۱۰۱۳ھ میں ہندوستان سے کابل جاتے
ہوئے اس طرف سے گزرا۔ اس نے تو شہرہ میں قیام کیا۔ جاگیر دیے کا یہ واقعہ بھی
اغلیاً اسی سال واقع ہوا ہوگا۔ اس طرح مثل حقیقت پیرسباک اور قصۃ الشیخ
کے بیانوں میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔

پیرسباک کے دوسرے فرزند تھے۔ ان کی اولاد
پیر حاجی رکن الدین

"حاجی خلیل" کہلاتی ہے۔ ان کی اولاد کی ایک

شاخ موضع فکر تحصیل فتح جنگ ضلع انکس "خوئی پیران" کے نام سے مشہور ہے۔ حاجی کن الدین کے مزار کا علم اب تک مجھے نہ ہو سکا۔ آخر صاحب یہ نام کن الدین یا رحمہ لکھتے ہیں۔

رحیم الدین

پیر سبک کے تیسرے فرزند تھے۔ ان کی اولاد رحیم الدین خیل کے نام سے موضع پیر سبک میں موجود ہے۔ محترم اثر صاحب نے ان کا نام محفہ احمد شاہ اور لقب رحیم الدین لکھا ہے اور مزار مبارک پو۔ پی (ہندوستان) میں بتاتے ہیں۔

ان کے مزار کا بھی اب تک مجھے پتہ نہیں لگ سکا۔ البتہ ان کے ایک پڑپوتے معظّم شاہ ابن فاضل شاہ ابن صلاح الدین ابن رحیم الدین رام پور ہندوستان میں بسلسلہ ملازمت رہ چکے ہیں۔

شہاب الدین

تاریخ موضع میں ان کو پیر سبک کا بیٹا لکھا گیا ہے۔ بعض شجرہوں میں بھی یہی مذکور ہے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کو تاریخ موضع میں "مرد دلا سے" یعنی سیدھے راستے پر چلنے والا لکھا گیا ہے اور جنہوں نے شیخ رحیمکار کا صاحب کے نام ایک پیغام بھیجا تھا۔ اس کا ذکر پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔ (ملاحظہ ہو عنوان بہادر خان یا یا المعروف ایک صاحب اور کا خیل خاندان)

مناقب زین الدین میں پیر فرید الدین کے چار بیٹے ذکر کئے گئے ہیں :-
(۱) عبدالعزیز (۲) شاہ عظیم الدین (۳) شہاب الدین (۴) پیر زین الدین علیہم الرحمۃ۔ چاروں فرزند شریعت مقدسہ کے پابند تھے۔ صراط مستقیم پر چلنے والے تھے لیکن

ان سب میں پیر زین الدین علوم ظاہری و باطنی میں امام عصر اور مقتدائے وقت تھے۔ قطب الاقطاب شیخ سعدی لاہوری کے مرید تھے۔ صاحب تصنیف تھے۔ ان کی تصنیفات میں "بضعتہ الاربعین" آج دستیاب ہے جو مسائل علم کلام اور اخلاق پر مشتمل ہے۔ پیر زین الدین حارث عادات کے بھی مالک تھے۔ ان کے مناقب ان کے مریدوں نے لکھے ہیں فضل حسین ولد عبدالصمدانی نے نثر میں اور خواجہ ملنگ نے نظم میں ان کے اور ان کے آیا و اجداد کے اخلاقی کرمیہ اور اوصاف حمیدہ کا ذکر کیا ہے۔

مناقب زین الدین کے بارے میں جناب سرفراز خان عقاب خٹک کا بیان ہے: "اس سخت کیاب فارسی تلمیذی کتاب میں فضل حسین (ولد عبدالصمدانی) نے کتاب مسی "بضعتہ الاربعین" کے مصنف پیر زین الدین پیر سبک کی حالات قلمبند کئے ہیں۔ اس کتاب کے بعد ص ۱۲۴-۲۲۱ نثر میں اور ص ۲۳۸-۲۴۴ نظم میں لکھے گئے ہیں۔ بیچ کے ص ۲۲۲-۲۲۸ پر کتاب قصہ المشائخ کے کچھ صفحات نقل کئے گئے ہیں اور ص ۲۲۸-۲۳۵ تک پھر مناقب ہیں۔ اس کتاب میں زین الدین کے آیا و اجداد اور پیر سبک کے مریدوں کے حالات کتاب قصہ المشائخ اور مناقب شیخ جی صاحب مصنف شیخ عبدالحلیم وغیرہ سے لئے گئے ہیں ص ۱۸۴-۲۳۴ کی عبارتیں غلط اور نامکمل ہیں۔ نظم کا حصہ لکھنے والا دو جگہ اپنے آپ کو ملنگ کہتا ہے۔

مناقب زین الدین اور اس کا منظوم حصہ بھی ۱۱۴۶ھ کے بعد لکھے گئے ہیں کیونکہ ان میں جو شجرہ دیا گیا ہے وہ محمد معصوم سے شروع ہوتا ہے۔ مناقب

ہوئے کہ ہم یہاں پر اس کتاب کے مصنف فضل حسین ولد عبدالصمدانی اور حصہ
نظم کے مصنف خواجہ بلنگ کے حالات بیان کریں۔ تحقیق بھی عبدالصمدانی
صاحب کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ لکھتے ہیں :-

”اچنان علماء و مشائخ کا ایک خاندان ہے جن کے مورث اعلیٰ کا نام خواجہ
عبداللہ ہے۔ ان میں ایک عالم کا نام عبدالکریم ملائیل (ابن عبدالجبار ابن محمد اکبر
ابن عبدالکریم ابن محمد عمر ابن خواجہ عبداللہ) اس عبدالکریم کے آٹھ فرزند تھے
محمد شمیم۔ محمد صدیق۔ وفا محمد۔ وغیرہ.....

ان میں سے سب سے بڑے بھائی محمد شمیم کے تین فرزند تھے۔ عبدالستار۔

محمد حسام۔ عبدالغفار (اس عبدالغفار کی اولاد نے ہندوستان میں ریاست ماہدہ کے
نام سے ایک ریاست بنائی تھی) عبدالستار ابن محمد شمیم کے فرزند کا نام تھا اخوند عبدالکرم
جن کی اولاد اخوند خلیل کہلاتی ہے۔ اس کے چودہ فرزند تھے۔ عبدالہادی۔ عبدالحمید۔
محمد جہا۔ فخر الدین۔ محمد گل۔ منشا والدین۔ محمد سعید۔ عبدالطلب۔ کالا۔ فضل احمد
بلنگ۔ محمد خطا۔ نور احمد۔ غلام رسول۔ ان میں سے گیارہوں فرزند بلنگ دہی
بزرگ اور خلیل القدر عالم اور ادیب ہیں جن کے اشعار ”مناقب زین الدین“ کے مؤلف
فضل حسین ولد عبدالصمدانی نے درج کئے ہیں فضل حسین اور بلنگ کا رشتہ یہ ہے :-

عبدالکریم ملائیل ^۱ محمد شمیم ^۲ عبدالستار ^۳ اخوند عبدالکریم ^۴ بلنگ ^۵

محمد صدیق ^۶ راقم محمد ^۷ محمد غلام ^۸ عبدالصمد ^۹ فضل حسین ^{۱۰}

اس انقبایہ سے بلنگ چچا ہے اور فضل حسین بھتیجا اور ۱۱۲۶ھ/۱۷۲۳ء
میں فضل حسین نے اپنے چچا بلنگ کے وہ اشعار جو سید زین الدین پیر بابا کی کے

کے مناقب میں تھے اپنی تالیف میں درج کئے ہیں۔ اس خاندان میں اخوند عبدالکریم نے
سید زین الدین سے فیض حاصل کیا تھا۔ اور اس روحانی تعلق کی بناء پر خواجہ خلیل
خاندان کے ان ممتاز افراد نے سید زین الدین سے اپنی عقیدت کا اظہار کر دیا تھا
حضرت مولانا خواجہ بلنگ کا ایک ہی فرزند تھا۔ مختار احمد۔ وہ ریاست ٹونک میں
جاگر آباد ہو گئے تھے۔ راقم الحروف کو انکی اولاد کا علم نہیں ہے۔ غالباً ریاست ٹونک کے
مشہور عالم مولانا برکات احمد ٹونکی اسی خاندان میں سے تھے۔

آپ نے فضل حسین ولد عبدالصمدانی لکھا ہے۔ یہ نام عبدالصمد ہے۔ ان کے بڑے
بھائی کا نام مولانا عبدالسلام تھا جو ضلع ہزارہ کے موضع ترنا میں سکونت پذیر تھے
اور جن کی نسل باقی ہے فضل حسین کے والد مولانا صاحبزادہ عبدالصمد کے پشتو اشار
ہمارے پاس موجود ہیں۔ یہ حضرت عبدالرحمن بابا ہند سرن کے ہم درس اور رفیق
تھے۔ رفاقت کی وضاحت بڑی تفصیل چاہتی ہے۔

اس خواجہ خلیل خاندان میں بے شمار علماء، مشائخ، ادیب اور شہسوار زبان کے
شیدا بیان شاعر ہو گزرے ہیں۔ صاحبزادہ محمد صدیق جنہوں نے خان کاچو کی تالیف
کا فارسی ترجمہ کیا ہے۔ انکے بھائی محمد وفا کا پشتو کلام بلاغت نظام راقم الحروف کے
پاس موجود ہے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے :-

نہ عاشق نہ یے چہ ماست پہنای بیغم یے۔ عاشقی خو بہ میدان کن سربازی دہ
چہ یو یاد دہل پہ پوری گزرو نہ کا دغہ وارہ پہ دنیا کتب بے نیازی دہ
یو ساعت دے پہ عاشق بانڈے چہ ہر کالہ دھجران د عمر ہسے درازی دہ
عاشقی دہ پہ دوہ قسمہ حما یارہ وسیلہ و حقیقت نہ مجازی دہ

..... خواجہ جلی خاندان کی غالب اکثریت آج کل ضلع بہارہ میں قبیلہ سواتی کے لوگوں کے ساتھ آباد ہے اور اب بھی مشترکہ خواجہ جلی خاندان کے کچھ ذیلی شاخیں سواتی زائے علاقہ سوات اور اس سے ملحقہ علاقے باجوڑ میں آباد ہیں۔“

گنج علوم پیر زین الدین آپ پیر فرید الدین کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے
والد محترم کی وفات کے بعد مندر اشارہ کے وارث ہوئے کیونکہ اپنے سب بھائیوں سے فائق تھے عقل و فکر میں انتہائی ذکی تھے۔ فصیح اور بلیغ زبان تھے۔ علم کی ابتدا جامع فضائل و کمالات حضرت مولانا خونچالاک (سلاک) سے کی۔ اور حقائق و معارف آگاہ مولانا یونس افلاک ساکن تورو کے ہاں اپنے علم کی تکمیل فرمائی طریقت و سلوک کے منازل زبیر العارفین حضرت مولانا شیخ سعدی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت بابرکت میں طے کئے۔

صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ علم کلام و اخلاق پر ”بصوتہ الاربعین“ کے نام سے ایک فارسی کتاب لکھی۔ یہ کتاب انہوں نے اپنے پیر و مرشد شیخ سعدی لاہوری کے اشارے اور دعوت پر لکھی۔ اس کتاب کے نو باب ہیں۔ ہر باب میں پانچ حدیثیں بمعہ شرح کے بیان کی گئی ہیں۔ کتاب کا خاتمہ دو حدیثوں پر مشتمل ہے جن میں اہل بیت کرام کے ساتھ نیک برتاؤ اور محبت کی فضیلت کا ذکر ہے۔ کتاب کا سبب تصنیف مصنف کے اپنے الفاظ میں یوں ہے :-

(ترجمہ) حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جس نے چالیس حدیثیں اچھی طرح یاد کیں اور دینی فائدے کی خاطر میری امت کو پہنچائیں، قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو فقہاء کی جماعت سے اٹھائے گا۔ اور میں اس کی شفاعت

کروں گا۔ اور ان کی فرمائندہ داری پر گواہی دوں گا۔ احقر الامام زین الدین (جو تمام مخلوق میں سب سے عاجز اور کم تر ہے) نے جب یہ حدیث دیکھی تو پھر میں نے کچھ اور پر چالیس حدیثوں کو جمع کیا اور کچھ اور پر چالیس کتابوں کے ساتھ ترتیب دیا۔ بضع تین سے لے کر نو تک عدد کے درمیان پوشیدہ ہے۔ یہ مختصر اور بہت سے معنوں کا جامع ہے۔ اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اس شرف و مہر نہ رتبے تک مجھے پہنچائے گا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت و تہادت کا درجہ ہے کیونکہ وہ سچا ہے اور اللہ تعالیٰ فرشتے، انبیاء کرام اور مومنین اس کی تہادت دیتے ہیں۔ ان کی وعدہ خلافی کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ ان پر درود و سلام ہو۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت میں اور ان کے تغیر بہ چیز طلب رحمت ہے۔“ بصوتہ الاربعین کا ایک خوشخط قلمی نسخہ پیر یونس شاہ ساکن کشرکی میانوالی کے پاس موجود ہے۔

پیر زین الدین نے علم تصوف اور سلوک کے بارے میں بھی ایک رسالہ تصنیف کیا تھا جس میں طریقت و حقیقت اور معرفت کے عجیب و نادر واقعات درج تھے۔ نیز اپنے سیر و سلوک کے مقامات و مراتب کے بارے میں تفصیل لکھی ہے۔ یہ رسالہ میری نظر سے ابھی تک نہیں گزرا۔

پیر زین الدین ہی نے موضع بیت الغریب یا پیران کی بنیاد ڈالی۔ صاحب ”مناقب زین الدین“ اس بارے میں یوں لکھتے ہیں :-

”جب اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان سے محبت اور جذبہ الہی نے ان کے دل میں جگہ پائی تو دن رات عبادت، ریاضت اور مجاہدے میں مشغول ہو گئے۔ بال برابر بھی شریعت پاک اور سنت بیضاء کے راستے سے باہر قدم نہ رکھتے تھے۔ عام لوگوں کے

اثر دام سے متنفر ہو گئے۔ ان کی طبیعت خلوت اور گوشہ نشینی کی طرف مائل تھی۔ اس وجہ سے اپنے خویش واقارب سے تعلق توڑ کر سفر اور غربت کا راستہ اختیار کیا۔ اپنے چند خلفاء کے ساتھ سیریاک سے روانہ ہوئے۔ اور پہاڑوں کے دریاں ایک جگہ کو اپنی طبیعت کے موافق پایا۔ وہاں سکونت پذیر ہوئے۔ کچھ گھر اپنے خلفاء کے لئے تعمیر کئے۔ اس جگہ کا نام "بیت المغرب" رکھا یعنی مسافروں کی جگہ۔ اپنے لئے وہاں ایک خلوت خانہ بنا کر عبادت الہی میں مشغول ہو گئے۔ وفات تک وہاں مقیم رہے اور وہیں پر دارقانی سے دارجاوداتی کی طرف رحلت فرمائی۔

کہتے ہیں جب آنحضرت کے شرف اقامت سے وہ گاؤں مشرف ہوا تو اس گاؤں میں زید آبادیاں بنتی شروع ہوئیں۔ لوگ آنحضرت کے سایہ عنایت کو غنیمت سمجھتے تھے اور ان کی ہمسائیگی میں رہنے لگے۔ تھوڑے ہی عرصے میں آنحضرت کے تصرف و برکت سے وہ جگہ آباد و معمور ہو گئی اور سلاطین و خواہین کو متوجہ کیا۔ بہت سے لوگ دینی و دنیاوی حاجات کو پورا کرنے کیلئے وہاں آیا جایا کرتے لگے۔

"مناقب زین الدین" کے مصنف نے ان کی علمیت اور پرہیزگاری کی بڑی تعریف کی ہے۔ لکھا ہے: "عام لوگ ان کو مجتہد و مت سمجھتے تھے۔ بڑے سے بڑے مجھے کے سامنے ایک مشلہ پر یہاں تک بولتے کہ کسی کو انکار کی طاقت نہ رہتی تھی۔" پیر صاحب کے سب سے بڑے مخالف لائٹس الدین نے بھی ان کے علم ظاہری کی ذرا دانی کا اعتراف کیا ہے۔ آپ اوصاف حمیدہ کے مالک تھے۔ اپنے سخت ترین مخالف کو بھی بڑے الفاظ سے یاد نہ کیا۔ ایک بار آپ کی مجلس میں ایک شخص نے عرض کیا کہ آپ کے مخالف آپ کی شان میں ایسا اور ویسا کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم

سے مجھے شہادت پر استقامت عطا فرمائی ہے۔ جو لوگ میری غیبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی عمریں درانداز کرے۔" مصنف مناقب لکھتے ہیں کہ پیر صاحب کی یہ دعا اپنے مخالفین کے حق میں اپنے اسلاف و مشائخ کے طریق و تابعداری میں تھی جیسے کہ امام غزالی رحمہ منہاج العابدین میں لکھتے ہیں کہ ابو سعیدؓ نے کسی نے کہا کہ فلاں آدمی تیری غیبت کرتا ہے۔ ابو سعیدؓ نے کھجوروں سے بھرا ہوا ایک تھاں اس کے پاس بھیجا اور فرمایا۔ "میں نے سنا ہے کہ تم اپنی نیکیاں مجھے بطور تحفہ بھیجتے ہو، میں نے اس کے بدلے میں کھجوروں کا یہ ہدیہ بھیج دیا۔"

پیر زین الدین موضع بیت المغرب میں دفن ہیں۔ وہاں مثل طرز تعمیر کی جی ہوئی ایک عمارت ہے جس کی دیواریں مثل طرز کی چھوٹی اینٹوں کی بنی ہوئی ہیں۔ عمارت کے اندر چار قبریں ہیں۔ ان میں سے مشرق کی طرف سے تیسری قبر جس پر چھنڈا لگا رہتا ہے پیر زین الدین کی قبر ہے۔ باقی تین قبریں ان کے بھائیوں کی ہیں۔ عمارت کے اوپر کوئی چھت نہیں ہے۔ حالانکہ عمارت کے شمال مغربی کونے میں چھوٹی اینٹوں کا بنا ہوا ایک زینہ اب بھی موجود ہے۔ چھت نہ ہونے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے۔

"جب حضرت زین الدین دارقانی سے دارباقی اور دارفریب سے دارخوشامالی کی طرف رحلت فرمائے تو ان کے بیٹوں نے ان کی قبر مبارک پر روضہ اور گنبد تعمیر کرنا چاہا۔ قبر کے ارد گرد اونچی دیوار تعمیر کی۔ جب مراد کا گنبد تعمیر کرنے کا مرحلہ آیا تو باوجود کوشش کے زین کا ارد گرد جاتا تھا۔ بیٹے بڑے فکر مند ہوئے۔ ایک رات اپنے والد محترم پیر زین الدین کو خواب میں دکھایا۔ جنہوں نے فرمایا: "مجھ سے باران رحمت کو نہ روکو۔ بیٹے مجھ گئے اور گنبد کی چھت بنوانے سے ہاتھ روک لئے۔ اس طرح روضہ مبارک نامکمل رہ گیا۔"

زبدۃ العارفین شیخ المشائخ حضرت شیخ محمد سعیدی اٹلی پیر زین الدین کے ہم پیر وہ استاد تھے۔ ان کی ایک بیٹی بھی پیر زین الدین کے بیٹے سید حاجی عبدالشکور سے میاہی ہوئی تھی۔ جب پیر زین الدین وفات پا گئے تو حضرت بیٹی اٹلی ان کی تمیزت اور ناتمہ ترحاتی کے لئے موضع بیت الغریب تشریف لے گئے۔ واپسی پر انہوں نے پیر زین الدین کی قبر مبارک پر برقعہ فرمایا۔ مقوڑی دیو بعد سر مبارک کو اٹھایا اور پیر صاحب کے مقامات عالیہ اور درجاتِ جلیلہ کی خیر دی۔ ساتھ ہی ان کی عجیب و غریب کرامات کا ذکر فرمایا۔ اسی وقت ان کے گھر بھی تشریف لے گئے۔ پیر زین الدین کی وفات کے بعد حضرت جیو (شیخ بھلی اٹلی) ان کے ننگر اور روضہ مبارک کے مختار تھے۔

حضرت سید زین الدین تدریس سہ فرزند ارجمند حضرت سید فرید الدین نور محمد تدریس سہ اپنے والد ماجد سے سلسلہ سہروردیہ۔ تادریہ، نقشبندیہ مجددیہ چشتیہ وغیرہ سلاسل میں مجازِ طریقت تھے۔ اور ان تمام سلاسل میں آپ کے مجازِ طریقت اور سجادہ نشین آپ کے فرزند حضرت شیخ حاجی سید عبدالشکور صاحب تدریس سہ تھے۔ (احوال العارفین ص ۵۷)

پیر زین الدین کی کرامات

ساغری خٹک قوم کا ایک قبیلہ ہے جو علاقہ نرڑہ چھب ضلع کیمپور میں آباد ہے۔ کہتے ہیں حضرت پیر زین الدین ایک دفعہ غرضِ سیاحت، اس علاقے میں پہنچے۔ چند دن قیام فرمایا۔ جب اس علاقے کے لوگوں کو ان کے درددل مسود کا پتہ چلا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ ”ہم لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں لیکن اس زمین پر سانپ بہت پائے جاتے ہیں۔ سانپوں کے ڈر سے یہ علاقہ غیر آباد اور بخر ہے۔ اگر حضرت عنایت و مہربانی فرما کر دعا فرمائیں تو یقین ہے کہ اس دعا کی برکت سے

اللہ تعالیٰ ہمیں سانپوں کے آزار سے محفوظ کر دے۔ حضرت نے ان کے حق میں دعا کی فرمایا۔ جاؤ اور اپنے کام میں مشغول ہو جاؤ۔ سانپ تم لوگوں سے کوئی غرض نہ رکھے گا۔ آج تک وہ ملک آباد ہے۔ سانپ وہاں کے رہنے والوں سے کوئی غرض نہیں رکھتا اگر بالفرض کسی کو ڈس بھی لے تو تکلیف نہیں پہنچاتا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسان ان سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔ یہ نقل تو اتر سے چلی آرہی ہے اور بہت مشہور ہے۔ نیز ایک دفعہ جب اس علاقے میں بارش نہ ہوئی تو اس علاقہ کے لوگ جمع ہو گئے اور اس جگہ مل کر طلبِ باران کے لئے دعا مانگی جہاں پیر زین الدین نے چند روز قیام فرمایا تھا۔ حدت و خیرت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان پر بارانِ رحمت نازل فرمایا۔

حضرت پیر زین الدین اپنی تصنیف ”بصفت الاربعین“ میں لکھتے ہیں کہ جب یہ روایت مجھ تک پہنچی کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کرامتوں میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ جب سواری پر سوار ہونا چاہتے تو پاؤں رکاب میں رکھتے سے لے کر سواری پر قرار پکڑنے تک پورا قرآن ختم کر لیتے۔ فقیر ذرہ نظیر بلکہ اس سے بھی حقیر جو ان سطور کا لکھنے والا ہے کے کانوں نے جب شاہ ولایت امیر المومنین کی یہ کرامت سنی تو اگرچہ اس کی حقیقت میں کوئی شبہ نہیں رکھتا لیکن اس کی کیفیت میں تردد اور حیران تھا ایک رات ذاتِ باری تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روضہ مبارک خواب میں دکھیا کہ ہر طرف بڑے بڑے اور حسین پرورے ارد گرد لگا دیئے گئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس ایسی بہتر اور زیبا تھی کہ اس اونچی مجلس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ جس کسی نے بھی کہا ہے۔ بہت اچھا کہا ہے :-

سے با صد ہزار دیدہ تنگ در ہزار قرن۔ مجلس بدی تو اوت و خوبی ندیدہ بود

(ترجمہ) آسمان نے ہزاروں آنکھوں کے ساتھ ہزاروں زمانوں میں اس جیسی روشن اور خوبصورت محفل نہیں دکھائی تھی۔

الحاصل حضور رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اشارہ فرمایا کہ قرآن پڑھیں۔ اول سے آخر تک قرآن پاک ایک ساعت میں جس کی مقدار سواری پر سوار ہونے یا اس سے بھی کم وقت تھی، میں ختم کیا اور حاضرین نے اس کے سننے کا شرف حاصل کیا۔ آیت (ترجمہ) اللہ تعالیٰ ان کا قرب دنیا اور آخرت میں نصیب فرمائے۔ اور اس حقیر کی نظر میں ایسا ہوا کہ بجلی نے ایک خط میں سالوں کا راستہ طے کیا اور فقیر ذرہ نظیر کے کانوں میں یہ آواز آئی کہ اس زبان کو اللہ تعالیٰ نے آسمانی بجلی کی سی تیز رفتاری اور روانی عطا کی ہے۔ اس کے بعد میرے دل میں جو خدشہ اور تردد تھا بالکل ختم ہو گیا۔

پیر زین الدینؒ اپنے وقت کے ایک جمید عالم اور پیر طریقت تھے۔ اس لئے سطحی علم رکھنے والے کم علم علماء اکثر ان پر معترض ہوتے۔ وہ حضرت پیر طعن کرتے اور ان کو برا بھلا کہتے۔ حضرت نے ہمیشہ ان اعتراضات کا مکمل جواب دیا۔ لاہور اور ملتان کے مقتصد علماء نے اس حضرت کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ لیکن یہ لوگ پھر بھی مخالفت سے باز نہ آئے۔ اس خاندان کے معاندین کو جیب بھی موقع ملا تو وہی پرانے اعتراضات پھر سے اٹھانے لگے۔ اپنی میں سے ایک ملائیس الدین بھی تھے جنہوں نے "مناقب فقیر صاحب" لکھی۔ ملائیس الدین کے بیان کا مختصر خلاصہ یہ ہے:-

"غوث بابا سے نقل ہے جو برہان گل کے حوالے سے کہتے ہیں کہ فقیر صاحب کے وقت میں ایک دفعہ سخت قحط پڑا۔ اس زمانے میں پیر زین الدین ایک پیر تھا جو رافضی

عقیدہ رکھتا تھا۔ عمر، ساک اور چالاک کی نسل سے تھا۔ ان کا رخص کتاب سے ثابت ہے۔ انہوں صاحب (انہوں درویش) نے تذکرہ میں عمر اور چالاک کا حال لکھا ہے کہ یہ پیر منگہ کی اولاد ہیں جو تھہار کا ایک پور تھا۔ تو گیانی مید نہیں ہے اور نہ ہی تو گیانیوں میں پیر ہیں۔ ان سب کا عقیدہ شراب ہے۔ زین الدین کا ظاہری علم بہت تھا اور اس کے عقائد مندرجہ ذیل تھے:-

اول وہ زید پر ہنت جائز سمجھتا تھا۔ اس کا دعویٰ ہے کہ میں نے زید کو دوزخ میں جلا ہوا دیکھا۔ دوم یہ کہ خیرات مرجانے والے کو نہیں پہنچتا۔ اس کو دعا کی ضرورت نہیں۔ اس کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ ہے: "كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ" سوم یہ کہ انہوں نے "مخزن" (تصنیف انہوں درویش) پر بھی اعتراض کیا اور بعض علماء اس گمراہی سے باخبر ہوئے اور لائیس اتون صاحب جن کا نام ظہیر الدین تھا بچھ اور ہزارہ کے علماء اور امی شکہ ناکر ولٹی گاؤں پر حملہ آور ہوئے۔ زین الدین نے بھاگ کر افضل خان کے پاس پناہ لی۔ مخالفین نے وہی میں ان کے چند گھروں کو جلا دیا۔ اب ان الزنات کا جواب دینے سے پہلے ضروری ہے کہ ملائیس الدین اور ان کے راویوں کا مختصر سا تعارف کرایا جائے۔

شمس الدین
قوم سے کا ناخیل تھے۔ شجرہ نسب یوں ہے:- میاں شمس الدین
ابن زبیر ابن قیاس الدین ابن حضرت ضیاء الدین شہید الحدوت
بہ آزاد گل ابن شیخ رحم کار کا کاما صاحب۔

جس شاخ سے میاں شمس الدین تعلق رکھتے تھے وہ زیادہ تر زیارت کا کاما صاحب میں ہیں اور چند ایک گھرانے موضع ولٹی میں بھی ہیں شمس الدین مندرجہ ذیل کتابوں کے

مصنف ہیں (۱) مناقب امام نظم (۲) مناقب شیخ رحیمکار (۳) مناقب فقیر جمیل
بگت - آخری دو کتابیں پشتو نظم میں اور تاحال قلمی ہیں۔ یہ دونوں کتابیں راقم
الحروف کی نظر سے گزر چکی ہیں۔

ملا شمس الدین کو لاکھ اور موصوف نے ۱۱۲۲ھ میں قتل کر دیا تھا جو قوم کا کاتیل

کے دوسرے اور خود سزا فراد تھے اور قیاس الدین کی اولاد میں سے تھے۔

غوث بابا | شیخ ضیاء الدین (ابن کا صاحب) کے پانچویں بیٹے۔ قیاس الدین
کے آٹھ بیٹے تھے۔ ان میں سے دوسرے غوث بابا تھے۔ ضیاء الدین

المعروف شہید بابا کی شہادت کے بعد خوانین اکوڑہ کے ساتھ جو کشمکش جاری رہی ہے،
قیاس الدین کی اولاد نے اس میں خصوصیت کے ساتھ نمایاں حصہ لیا ہے۔

غوث بابا کی اولاد خاندان بابا خیل کے نام سے مشہور ہے۔ ساوڈھیر ضلع سرحد
مصری بانڈہ، نوشہرہ کلاں، سوڈھیر تحصیل سواہلی اور کوٹا علاقہ چیدین پٹی اس خاندان
کے کافی افراد آباد ہیں۔

برہان گل | شیخ ضیاء الدین کے تیسرے بیٹے کا نام برہان الدین یا برہان گل بابا
تھا۔ ان کے تین صاحبزادے تھے۔ سید محمد، فضل محمد، حاجی گل،

پہلے دو تو لاو لادوقات پانگے۔ حاجی گل صاحب کی اولاد موضع دہی متصل زیارت کا کا
صاحب ہیں۔

بلنظر اخون صاحب | میاں شمس الدین نے ان کا اصل نام ظہیر الدین بتایا ہے۔
اب تک بلنظر اخون صاحب کی شخصیت کا تعین میں نہ کر

سکا۔ لیکن روشن خان صاحب نے تو ادراج حافظ رحمت خانی "میں میاں نور کے متعلق لکھا
ہے کہ ان کی زیارت بنٹر بابائے شہرت رکھتی ہے اور علاقہ دیر کے موضع خال میں واقع ہے
میاں نور کا اعزازی لقب اخون تھا۔ یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے خوشحال خان خٹک کے
ساتھ ان کے دروہ سوات میں مناظرہ کیا تھا۔ دروہ مناظرہ یزید پر لعنت یا عدم لعنت
کے جواز کا تھا۔ یہی مشہور ہے کہ میاں نور ایک نیم ملا تھا اور مخلوں کا ایجنٹ تھا

جو نہیں چاہتا تھا کہ یوسف ڈیوں کے سامنے خوشحال خان خٹک کا اتحاد و اتفاق قائم
ہو جائے اور منلیہ سلطنت کے لئے خطرہ بن جائے۔ محترم محقق کامل صاحب نے بھی
خوشحال خان کا اتون دروہ یا "کو برا بھلا کہنے کا سبب میاں نور ہی کو بتایا ہے۔

اب آتے ہیں میاں شمس الدین کے اعتراضات کی طرف۔ کیا سپرین الدین
راقضی عقیدہ رکھتے تھے؟ یقیناً نہیں۔ اور اس کا سب سے بڑا ثبوت ان کی کتاب

بعضۃ اللابغین کا نواں باب ہے جس میں وہ صحابہ رضوان اللہ اجمعین کے فضائل
بیان کرتے ہیں اور ان لوگوں کو زندقی تک لکھا ہے جو صحابہ کرام پر جرح کر کے

ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ صحابہ کی خطائیں معاف ہیں۔ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ
اور امیر معاویہ کے درمیان جنگ کے بارے میں اس بزرگ کی رائے سے متفق ہیں

جو اس طرح کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم
اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ کو پردے کے اندر حساب کیلئے لیجا گیا۔ کچھ دیر بعد

امیر المومنین علی مرتضیٰ باہر تشریف لائے اور کہا۔ الحمد للہ کہ حق میری جانب تھا۔ کچھ
دیر امیر معاویہ رہے باہر آکر فرمایا۔ الحمد للہ کہ مجھ سے روکنے فرمایا گیا۔

کیا ایسے خیالات و نظریات رکھنے والا بزرگ رافضی ہو سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ صحیح العقیدہ اہل سنت و الجماعت کا یہی نظریہ ہے۔

اب آتے ہیں ملائیس الدین صاحب کے دیگر اعتراضات کی طرف۔ انور دوزیہ کی کتاب میں پیر زین الدین کے بزرگوں کو رافضی نہیں کہا گیا ہے۔ پیر منکرہ والی روایت پر پہلے ہی بحث ہو چکی ہے۔ البتہ انور دوزیہ نے زردنی (مہد رافضی) قبیلے کے خواجہ کی روایت لکھی ہے۔ فقیر شمس الدین نے انہیں تو گویا فی لکھا ہے۔ اس بات میں حقیقت صرف اس قدر ہے کہ پیر زین الدین کے دادا شاہ اسماعیل تمان سے آنے کے بعد تو گویا فی قبیلے کے پڑبہہ شاخ میں مقیم ہو گئے اور وہیں انہوں نے شادی کی۔ وہ خود تو گویا فی نہ تھے بلکہ ان کے آبا و اجداد بخارا سے علاقہ خوست میں آئے تھے۔

اب آتے ہیں پیر زین الدین کی طرف منسوب عقائد کی جانب۔

(۱) جہاں تک یزید پر لعنت کے جواز کا تعلق ہے تو بہت سے اہل سنت و الجماعت بزرگ اس نظریے کے قائل رہے ہیں۔ علمائے اہل السنۃ میں سے جو لوگ جواز لعنت کے قائل ہیں۔ ان میں ابن جوزی، قاضی ابوالعلی، علامہ تفتازانی اور علامہ جلال الدین سیوطی نمایاں ہیں اور عدم جواز کے قائلین میں نمایاں ترین بزرگ امام غزالی اور امام ابن تیمیہ ہیں۔ حافظ ابن کثیر کے بقول امام احمد بن حنبل بھی جواز لعنت کے قائل تھے مگر علامہ سفارینی اور امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ زیادہ معتبر روایات کی رو سے امام احمد یزید پر لعنت کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ (بحوالہ خلافت و مملکت، ابوالاعلیٰ مودودی ص ۱۹۱) اگرچہ بعض اس معاملہ میں اس وجہ سے سکوت کے قائل ہیں کہ یہ ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کی روز قیامت پُرسش ہوگی۔ جہاں تک

انور دوزیہ اور ان کے مکتب فکر علماء کے اس بارے میں نظریہ کا تعلق ہے تو وہ اہل سنت و الجماعت سے زیادہ تالیفوں سے ملتا ہے۔ اس پر آپ پہلے ہی جناب امیر حمزہ شادری صاحب کے مرشد عبدالسار بادشاہ کا قول دیکھ چکے ہیں۔ انور دوزیہ کے ان ہی نظریات کی بناء پر شہور افغان شاعر خوشحال خان نے ان کی سخت مخالفت کی ہے اور انور صاحب کے مرید میاں نور کو ایک مناظرے میں نیچا دکھایا۔

خوشحال خان، انور صاحب کی کتاب "مخزن" کے بارے میں لکھتے ہیں :-

نام معقول محمول بیان پکینے بیجا یہ۔ یہ کہنی بدو سید و ایہ یزید ستاہ، حضرت پیر زین الدین سے یہ بات بھی منسوب کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے یزید کو دوزخ میں جلتا ہوا دیکھا۔ اس بارے میں ان کا جو بیان کتاب "بصفتہ الاربعین" میں آیا ہے وہ یوں ہے :-

"زبدۃ العارفین مجدد الف ثانی شیخ احمد کابلی نے اپنے مکتوبات شریف میں یزید پر لعنت جائز ہونے پر یہ آیت کریمہ بطور دلیل دی ہے۔"

(ترجمہ) بن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا و تکلیف دی، لعنت سے اس پر اللہ کی طرف سے نیا د آخرت میں اور تیار کیا گیا ہے انکے لئے عذاب و ذلت اور روانی۔ نیز ہادی المسلمین میاں شیخ اسد اللہ مرحوم اور عرفان ہدایت شیخ سعدی لاہوری جمع کثیر کے سامنے یزید کو اس بدعلا سے یاد کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضرت قدوۃ المحققین شیخ آدم بنوری کی زبان مبارک سے سنا ہے۔ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے پردوں کو اکٹھا کر مجھے دوزخ دکھلایا تو یہ یزید پر لعنت کو میں نے دوزخ میں دیکھا۔ شمس الدین نے دوسری بات جو حضرت زین الدین سے منسوب کی ہے وہ یہ ہے

”خیرات مرجانہ والے کو نہیں پہنچتی۔ اس کو دعا کی ضرورت نہیں۔ اس کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ ہے: كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ۔“

اس مسئلہ کے بارے میں صرف یہ کہوں گا کہ بعضۃ الاربعین میں یہ عبارت میری نظر سے نہیں گزری۔ ویسے بھی یہ موجدین، موجودہ نجدیوں اور دباہیوں کا نظر یہ ہے جو ایک آسانہ دار اور پیری مریدی کا دھندہ کرنے والے بزرگ سے منسوب کرنا زیادتی ہی ہوگی۔

سوم الزام یہ ہے کہ پیر زین الدینؒ نے مخزنؒ جو انہوں صاحب کی تصنیف ہے میں قصیدہ بردہ کے ایک لپٹو میں ترجمہ شدہ شعر پر اعتراض کیا جس میں پیر زین الدین کے اعتراض کو یوں بیان کیا ہے۔

یوہ دنہ وداغز نہ مارا وکشہ لمخزنہ
(ترجمہ) ایک کانٹے دار درخت تھا جو میں نے مخزن سے نکال دیا۔

”مناقب زین الدین“ میں یہ اعتراض یوں بیان کیا گیا ہے۔ ”انہوں دونوں“

اپنی شرح مخزن شریف میں قصیدہ بردہ کے اس شعر کے معنی میں لکھتے ہیں جو پشتو زبان میں ہے (ملوے بھید لے تو تلی نہ دو میدی) یعنی معنی اس کا یہ ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے مبارک میں انتہائی عبادت، ریاضت اور ساری رات کھڑے رہنے کے سبب دم آجاتا تھا اور ان کے تلوؤں مبارک سے زود پانی بہ رہا تھا تو حضرت مولانا پیر زین الدینؒ نے فرمایا کہ یہ عبارت سید المرسلینؐ کی شان اقدس میں سچی اور درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس عبارت سے مفہوم نکلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب ہند اور ہندو تھے۔ حالانکہ آنحضرت

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی تمام زندگی میں اپنی امت کے داعی امام تھے۔ کسی کے پیچھے آنحضرتؐ نے کبھی نماز نہیں پڑھی مگر ایک دو نمازیں جو امیر المؤمنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے پڑھی گئیں اور اس عبارت نے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معذور قرار دیا اور صاحب عذر کے پیچھے نماز جائز نہیں اور اس کی امامت جائز نہیں۔“

اس بارے میں ہماری تحقیق یہ ہے کہ حضرت امام شرف الدین محمد ابو صیریؒ کے اس مشہور قصیدہ کا یہ شعر یوں ہے:-

ظلمت سبہ من اخی الظلام الخ
ان اشتکت قد ماہ الصوم من ورام

اب قصیدے کا ترجمہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں ہو چکا ہے۔ فارسی ترجمہ حضرت آقا عبدالرحمن جامیؒ کا ہے اور اردو ترجمہ جناب محمد فیاض الدین نظامی بہزاد دکن کی کوشش ہے۔

(اردو)۔ اس ہی کی پاک سنت پر کیا میں نے ستم
تھا قیام شب سے جن کے پائے نازک پر دم
(فارسی)۔ من ستم کردم بے بر سنت خیر المرسل
آنکہ از اجیائے شہا پائے دے کردم دم
اب انہوں دونوں نے اس شعر کا پشتو ترجمہ یوں کیا ہے:-

پیروی سے ذہیب دغوی و نکلہ۔ ہر چہ دہ بہ تورے

بتے دونڈہ ولے۔ دوا رہا پنے پر سیدے له سختی ملو بے بھیدے
ترتلی نہ در سیدی۔

”خزن“ کے حاشے میں ’ملوبے‘ کی وضاحت یوں کی گئی ہے :-

ملوبہ - نومہ - نوئے دینہ یوتروہم روانہ شوہ (نوم،
پتلا خون۔ یعنی زرد خون بھی جاری ہو جاتا) اب پتلا خون زرد پانی کی طرح ہوتا ہے۔
میرے خیال میں اگر خون نہ صاحب صحیح ترجمہ لاکرتے اور صرف پاؤں موج
جانے کا ذکر کرتے اور اس میں پاؤں مبارک سے پتلا خون جاری ہونے کے الفاظ کا
اصافہ نہ کرتے تو یہ ترجمہ حدیث مبارک کا صحیح مفہوم ادا کرتا۔

اس کے علاوہ ہی کتاب ”مناقب زین الدین“ میں ایک سکہ درج ہے جو پیر زین
الدین اور ان کے مجتہد علماء کے درمیان باعث نزاع تھا۔

مولانا پیر زین الدین اپنی کتاب ”بندۃ اللہین“ میں لکھتے ہیں کہ آسمانی نکاح
صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ام المؤمنین حضرت زینب
بھی اس پوشاک پر شرف ہیں جیسا کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے
میں قرآن مجید کا ارشاد ہے :-

(ترجمہ) جب زینب نے اس کو طلاق دے دی تو ہم نے آپ کا اس سے نکاح کر دیا.....

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زینب
کے گھر بغیر عوی قاعدہ قانون کے تشریف لے گئے۔ حضرت زینب نے فرمایا کہ بغیر
پیغام نکاح اور گواہوں کے آئے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ
تعالیٰ نکاح میں دینے والا اور جبرائیل علیہ السلام گواہ ہے۔ اور حضرت زینب تمام

ازواج مطہرات پر فخر کرتی تھیں کہ میرا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے
اللہ جل شانہ نے باندھا ہے اور وہ میرا مستولی بن چکا ہے۔ اور آپ لوگوں کو مستولی
اور نکاح میں دینے والے اپنے ادیاء اور اقارب ہیں۔ کذا ذکر فی المصابیح علیہ تو
جو لوگ نکاح آسمانی صرف عائشہ صدیقہ کے ساتھ تخصیص کرتے ہیں۔ اللہ جانتا
ہے کہ ان کا کیا مطلب ہے اور ان کی سزا کیا ہے۔ اس آیت کے ظاہری معنی سے بھی
نادانگہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ حقیقت حال جانتا ہے۔^{۲۲}

حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری مخالفت موضع ولئی پر قبضہ کرنے کا ایک بہانہ تھا
نہ تو خوشحال خان نے بہتیر میں میاں آزاد گل صاحب کو موضع ولئی میں حصہ دیا تھا۔
اور نہ ہی ولئی پیر سیبا کیوں کا قبضہ پیر زین الدین کے وقت سے شروع ہوا۔ عقاب
تنگ صاحب اپنی کتاب ”پیر سیباک“ کے صفحہ ۳۱ پر لکھتے ہیں :-

”نیز نہ تو ولئی میں آزاد گل کا کوئی دخل ہی ثابت ہوتا ہے (کیونکہ جو قبضہ اب
ولئی میں کا کاخیلوں کے قبضے میں ہے اس پر ان کے بزرگوں نے صرف چار پانچ پشت
پہلے ہی قبضہ نمائافت کیا ہے جبکہ وہ خاندانی دشمنی کی وجہ سے موضع زیارت ہما صاحب
سے ولئی چلے آئے۔“

یہ معلوم ہوا کہ میاں شمس الدین اور ان کے ذکر کردہ بزرگ وہی لوگ ہیں جن کی
اولاد اب موضع ولئی میں آباد ہے۔ بعد میں پاپا میاں صاحب نے سرکاری اثر و رسوخ
سے کام لے کر موضع ولئی اور بیت الغریب کے آبی وسائل کا سناؤ بھی حکومت انگریز
سے لیا اور اصل مالکان کو نہ دیا۔ یہ پاپا میاں صاحب برہان الدین اور شمس الدین
کے خاندان میں سے تھے یعنی زبیر ابن قیاس الدین کی اولاد میں تھے اور دشمنی ان کے

آپ کے ایک مرید حضرت شیخ خواجہ محمد زاہد بن خواجہ عزیز اللہ بن خواجہ محمد عارف بن خواجہ محمد قاسم بن خواجہ غلیل اللہ رحمۃ اللہ علیہم نے ۱۶۶ھ مطابق ۱۷۳۳ء میں آپ کی سوانح اور حالات آپ کی زندگی میں لکھے تھے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

حافظ قرآن بدہم دستگیر کیساں : اسم اور معصوم مترشح ہر خور و کلاں
طالبان فضل را تار و زحشر : بارگاہت مقصد و مقصود باد

غرض کہ ایسے ہی بلند پایہ مشائخ سے تھے۔ تاریخ وصال آپ کی تاحال میسر نہیں ہوئی۔ آپ کے بعد شیخ المشائخ شیخ الاسلام حضرت شیخ عنید پشاوری قدس سرہ دارت علوم ظاہری و باطنی صاحب سجادہ اور مند نشین ہوئے۔

(احوال العارفین ۵۰۹ - ۵۱۰)

”قصۃ المشائخ“ میں خواجہ محمد معصوم کے جو حالات بیان کئے گئے ہیں ان

کا خلاصہ یہ ہے :-

”آپ تجارت اور کھیتی باڑی کیا کرتے تھے۔ کاروبار میں بہت زیادہ نقصان اٹھایا اس لئے دنیا کے کاروبار سے دل برداشتہ ہو گئے اور اپنے ایک بھائی سید محمد امیر کے ہمراہ موضع انک تشریف لے گئے اور حضرت سرالاعظم ”یحییٰ انکی“ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ انہوں نے اسم ذات کا آہستہ آہستہ ذکر کرنے کا حکم دیا اور سید عزت دیکریم سے رخصت فرمایا۔ حضرت مولانا سید معصوم شاہ پہلے پیرسبا کی بزرگ تھے جنہوں نے طریقہ نقشبندیہ میں بیعت کی۔ ویسے آپ چاروں سلسلہ ہائے طریقت سے منسلک تھے۔ سلسلہ عالیہ ہرودیہ اور قادریہ میں اپنے والد ماجد اور نقشبندیہ میں حضرت سرالاعظم ”یحییٰ انکی“ کے خلیفہ مجاز تھے

ازواج مطہرات پر فخر کرتی تھیں کہ میرا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ جل شانہ نے باندھا ہے اور وہ میرا ستویں بن چکا ہے۔ اور آپ لوگوں کو مستوی اور نکاح میں دینے والے اپنے ادیاء اور اتار ب ہیں۔ لہذا ذکر فی الموابہ علیہ تو جو لوگ نکاح آسمانی صرف عائشہ صدیقہ کے ساتھ تخصیص کرتے ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ ان کا کیا مطلب ہے اور ان کی سزا کیا ہے۔ اس آیت کے ظاہری معنی سے بھی ناواقف ہیں۔ اللہ تعالیٰ حقیقت حال جانتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری مخالفت موضع ولئی پر قبضہ کرنے کا ایک بہانہ تھا نہ تو خوشحال خان نے جہیز میں میاں آزاد گل صاحب کو موضع ولئی میں حصہ دیا تھا۔ اور نہ ہی ولئی پیرسبا کیوں کا قبضہ پیر زین الدین کے وقت سے شروع ہوا۔ عقاب تنگ صاحب اپنی کتاب ”پیرسباک“ کے صفحہ ۳۱ پر لکھتے ہیں :-

”نیز نہ تو ولئی میں آزاد گل کا کوئی دخل ہی ثابت ہوتا ہے (کیونکہ جو رقبہ اب ولئی میں کاشیلوں کے قبضے میں ہے اس پر ان کے بزرگوں نے صرف چار پانچ پشت پہلے ہی قبضہ کھانا کیا ہے جبکہ وہ خاندانی دشمنی کی وجہ سے موضع زیارت کہا صاحب سے ولئی چلے آئے۔“

یہ معلوم ہوا کہ میاں شمس الدین اور ان کے ذکر کردہ بزرگ وہی لوگ ہیں جن کی اولاد اب موضع ولئی میں آباد ہے۔ بعد میں پاپا میاں صاحب نے سرکاری اثرو روخ سے کام لے کر موضع ولئی اور بیت الغریب کے آبی وسائل کا سناوہ بھی حکومت انگریز سے لے لیا اور اصل مالکان کو نہ دیا۔ یہ پاپا میاں صاحب برہان الدین اور شمس الدین کے خاندان میں سے تھے یعنی زبیر ابن قیس الدین کی اولاد میں تھے اور دشمنی ان کے

خانمان کی تھی۔ (بحوالہ خطوط میاں بہادر شاہ ظفر کا کاغذ)

پیر زین الدین قدس اللہ سرہ کے گیارہ فرزند تھے جو بقول مصنف کتاب
”مناقب زین الدین“ سب کے سب پرہیزگار، صاحب تقویٰ اور شریعت و سنت

رسولؐ کے راستے پر مستقیم تھے۔

عبد الشکور^۱ اور کرم دین^۲ (ایک ماں سے) اسد اللہ اور حافظ محمد عمر^۳
(ایک ماں سے) محمد علی اور شاہ نجم الدین (ایک ماں سے) محمد سعید جن کو
مسعود شاہ بھی کہتے ہیں۔ سعد الدین (ایک ماں سے) عماد الدین۔ عبدالحق
قیاس الدین (ایک ماں سے) مناقب زین الدین میں ایک بھائی کا نام غلام
محی الدین درج ہے۔

پیر زین الدین کے دو بیٹوں حاجی عبدالشکور اور حافظ محمد عمر کے بارے میں
مصنف ”مناقب زین الدین“ لکھتے ہیں ”صاحب کمال اور ارباب حال تھے“
حاجی سید عبدالشکور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت سرالاعظم شیخ بیلجی طبریؒ کے
خلیفہ تھے۔ اس کے علاوہ طریقہ عالیہ قادریہ سے بھی منسلک تھے۔ سلسلہ قادریہ میں ان
کے مرشد کون تھے؟ اس بارے میں ہم مناقب زین الدین سے استفادہ کر سکتے ہیں۔
جہاں لکھا ہے :-

”حضرت مولانا سید معصوم شاہ (ابن عبدالشکور) کے بزرگان طریقہ سہروردیہ
میں سے تھے اور مولانا صاحب خود ابتدائی زمانہ سلوک میں قادریہ طریقے سے پوری
طرح محبت رکھتے تھے۔ حضرت سرالاعظم نے ان کو طریقہ نقشبندیہ میں داخل فرمایا
مولانا شاہ معصوم فرماتے ہیں کہ جس دن سرالاعظم نے مجھے طریقہ نقشبندیہ میں داخل
فرمایا تو خواب دیکھتا ہوں کہ حضرت خواجہ بزرگ^۳، حضرت عبدالقادر جیلانیؒ میرے

والد اور حضرت سرالاعظم دریا کے کنارے بیٹھے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ
مجھ سے طریقہ قادریہ چھوڑ کر نقشبندیہ میں داخل ہونے پر مجبور اور ترقا ہیں لیکن خواجہ
بزرگ میری طرف سے ان حضور میں سفارش کرتے ہیں اور اس طرح اس بخش تعلق کو دور فرمایا۔“

اس باطنی واقعہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ محمد معصوم ”طریقہ قادریہ میں
اپنے والد محترم سے بیعت تھے۔ ابطریقہ قادریہ میں حضرت سیدنا مولانا انور خان حافظ شیخ
عبدالغفور باباجی صاحب سوات کا شجرہ طریقت یوں یوں ہے۔

د شیخ جنید پشاوری اجازت دیگر از سید معصوم شاہ جہان آبادی ساکن در پشاور
و او از حاجی سید و او از شیخ خیر اللہ جی و او از شیخ غیاث الدین و او از شیخ عبدالنذاق
و او از سید زین الدین و او از سید میر میران و او از شیخ سلیمان و او از شیخ نظام الدین۔

اثر صاحب فرماتے ہیں کہ شاہ بہان آبادی مقام ہے جو پیر سبک کے مغرب میں
واقع اور آج کل نوشہرہ کلاں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ البتہ یہ بات یقینی نہیں ہے
کہ حاجی سید کون ہے؟ کیا اس سے شاہ معصوم کا اپنا باپ مراد ہے جو حاجی سید عبدالشکور

نام رکھنے کی وجہ سے ممکن ہے۔ حاجی سید کہلائے ہوں یا نوشہرہ کلاں کے وہ حاجی سید جن کا
شجرہ نسب سید شلان سے جاملتا ہے۔ اس حاجی سید کے پیر طریقت خیر اللہ جی کو ہم صحیح
طور سے نہیں جانتے۔ سید حاجی عبدالشکور کے جائے قیام ملامنصور کے مشرق میں ایک

گاؤں کا نام گوندل مشہور ہے جس کا اصل نام خیر خیل ہے۔ اگر حاجی سید سے حاجی عبدالشکور
مراد لیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کا پیر طریقت موضع گوندل (خیر خیل) کے شیخ خیر اللہ
ہونگے۔ سید شیخ جنید کے والد کا نام بھی شیخ خیر الدین ہے۔ حاجی سید عبدالشکور کو طریقہ

سہروردیہ میں خلافت اپنے والد سے ملی تھی۔

سید عبدالشکور ابن سید زین الدین کا حال کتاب احوال العارزین میں یوں بیان ہے
 شیخ المشائخ حضرت شیخ حاجی سعید سید عبدالشکور صاحب قادری قدس سرہ
 آپ کی استعداد بہت بلند تھی اور طلب حقیقی اور عشق الہی کے جذبہ میں سرشار تھے۔
 مزید طلب حق کی غرض سے حضرت شیخ سید شاہ خیر اللہ قادری قدس سرہ خلیفہ حضرت
 شیخ سید شاہ عنایت الدین قادری قدس سرہ کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہو کر سلسلہ
 عالیہ قادریہ میں بیعت ہو کر اس سلسلہ کے حنازل سلوک طے کئے اور بجا طریقت
 ہوئے۔ اور اسی سلسلہ قادریہ میں لوگوں کی تربیت فرماتے رہے۔ صاحب درس تدریس
 اور تعلیم علوم باطنی میں کامل اکل تھے۔ آپ نے موضع ملا منصور میں خانقاہ فرمائی۔
 جہاں ہزار با مخلوق آپ سے علوم ظاہری و باطنی میں فیض یاب ہوئی۔

آپ صاحب تصنیف بھی تھے۔ آپ کی تصنیف کردہ ایک کتاب کا ایک نسخہ
 درملکیت صاحبزادگان موضع ملا منصور، مضافات انک ضلع کیمیل پور میں ہے
 جو شہر انک سے بجانب مشرق دو تین میل کے فاصلہ پر برب سٹریک بجانب جنوب
 ایک گاؤں ہے۔ اس گاؤں کے مشرق میں آپ کے شیخ کا گاؤں گوندل واقع ہے
 آپ نے وہیں وصال فرمایا۔ وہیں مزار مبارک ہے

اولاد | آپ کے تین صاحبزادے تھے۔

۱) حضرت شیخ سید محمد معصوم

۲) حضرت شیخ سید میر محمد

۳) حضرت شیخ سید میر محمد شاکر شاگرہ قدس سرہم۔ ان کی تصنیف میں دیوان

شاکر ہے۔ (احوال العارزین ص ۵۵، ۵۶)

۷ میں بعد مرگ بھی بزم و فامیں زندہ ہوں

تلاش کو میری محفل میرا فراز نہ پوچھ

یہاں ان بزرگوں کا بھی مختصر سا ذکر کرنا ہے جانہ ہوگا۔ جو عبدالشکور ہی کے
 نام سے موسوم تھے اور حضرت عبدالشکور ابن زین الدین کے تقریباً ہم عصر تھے۔
 کیونکہ مناقب۔ سیرت اور تصوف کی اکثر کتابوں میں ان کے حالات زندگی کو ایک
 سے عمیر نہیں کیا گیا ہے۔

شیخ عبدالشکور | حضرت جی الکی کے دوپوتے تھے۔ شیخ عبدالشکور اور
 شیخ عبداللہ۔ قوم کے چغتائی منغل تھے۔

مولانا سید عبدالشکور اٹلی رحمۃ اللہ علیہ؛ ڈاکٹر محمد حنیف اسلامیہ کالج
 پشاور اپنے ایک مقالے میں ان کا ذکر یوں کرتے ہیں

آپ کا اسم گرامی عبدالشکور اور والد بزرگوار کا نام اسحاق تھا۔ آپ
 نسباً سید۔ مذہباً حنفی اور طریقاً نقشبندی تھے۔ آبائی وطن تہ (ٹھٹھہ) تھا
 آپ کے والد ماجد سید اسحاق وہاں پر پیدا ہوئے۔ حضرت آدم نورئی کے
 ایما پر حضرت نظام الدین تھانیسری کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ اپنے
 پیر مرشد کے کہنے پر شہر انک کے مضافات میں چھچھ کے مقام پر سکونت
 اختیار کی۔ انک میں سکونت کے دوران حضرت سید عبدالشکور پیدا ہوئے۔

۱۰۹۹ھ میں حضری سعدی لاہوری نے ان کے ہاں انک میں قیام فرمایا۔ اور وہیں
 ارشاد و بیعت کے منصب جلیل سے سرفراز فرمایا۔ حضرت مولانا عبدالشکور
 نہایت ایمان دار، عابد و زاہد اور متواضع بزرگ تھے۔ حضرت جی الکی اور

میاں محمد عمر چکنی دونوں ان کے بڑے مداح تھے۔ مولانا سید عبدالشکور رح بعض حوادث کے سبب اپنا گاؤں چھوڑ کر پشاور آئے اور یہاں موضع تیراہیا میں چند سال تک قیام فرمایا۔ میاں صاحب چکنی یہاں سکونت کے دوران ان کی خدمت میں آیا جابا کرتے تھے۔

مولانا سید عبدالشکور ایک شقی القلب چور کے ہاتھوں شہید ہوئے یہ واقعہ ۲۳ محرم ۱۱۱۲ھ میں پیش آیا۔ آپ کو اٹک سے تقریباً بارہ میل دور ان کے گاؤں موضع ابا بکر میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

(بحوالہ کتاب طوہر السراٹر۔ از میاں محمد عمر چکنی)

ان کا خاندان آج کل حافظ خیل کہلاتا ہے۔ ملنگ ان کی یوں تعریف کرتے ہیں۔

حافظ محمد عمر

چام بن حافظ عمر درود خوش پیچہ محکم زندہ دین دکش یعنی (زین الدین) کا چوتھا بیٹا حافظ محمد عمر اپنے وقت میں دین و ملت کا ایک مضبوط پیچہ تھا۔

حافظ محمد عمر کے بارے میں قاضی عبدالعلیم اثر صاحب لکھتے ہیں:-

”ان ہی شاہ معظم ساکن پشاور کے وہ بھائی بن کا نام محمد عمر تھا اور جو بعد میں مبلغ کیمیل پور (اٹک) چلے گئے تھے وہ بھی حضرت سرالاعظم شیخ محمد یحییٰ عرف حضرت جی صاحب اٹک کے مرید تھے اور پشاور شہر کے محلہ آسیا میں مقیم تھے۔

حضرت غوث الافغان میاں محمد عمر چکنی کے ایک مرید تھے۔ وادین۔ اس نے ستر سال کی عمر میں ۱۸۰۴/۵۱۲۱۹ء میں مناتب میاں عمر کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ فرماتے ہیں:-
یوہم نام دشمنکود صاحب وایم زلے کورپہ سرا آسیا کہن درتہ بنا ایم

قصہ المشائخ میں لکھا ہے کہ کمال بوڑھ نام گاؤں (واقعہ کیمیل پور) کے لوگ چوروں کے ہاتھوں تنگ آگئے اور انہوں نے پیر محمد معصوم سے درخواست کی جس نے اپنے چچا محمد عمر جو عمر میں ان سے کم تھے کو ان لوگوں کے ساتھ بھیج دیا۔

تیمور شاہ ابن احمد شاہ ابدالی کی طرف سے سادات پیر سبک کو جو سنہ ۲۷ ریح الثانی ۱۲۰۰ھ (مطابق ۲۷ فروری ۱۷۷۸ء) کو دی گئی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ محمد عمر احمد شاہ ابدالی کے زمانے میں تہذیب حیات تھے لیکن اس سند کے دیئے جانے سے پہلے وہ فوت ہو چکے تھے۔

حافظ محمد عمر کی اولاد کا شجرہ یوں ہے:-

حافظ محمد عمر

حاجی میر محمد حسن میر منیب

یکجا شاہ میر عبدالودود شاہ (معدوب پیر شاہ۔ لاولد) میر عبدالرؤف شاہ محمد حسین

سادات بوڑھے کے شجرے میں حاجی میر محمد حسن کا نام یوں آتا ہے۔ زبده العائین قدوة الواصلین، حاجی الحزین۔ مرشد محض حضرت سید محمد حسن شاہ قدس سرہ۔

حاجی محمد حسن شاہ سادات بوڑھے کے مورث اعلیٰ اور اپنے زمانے کے شہور ولی گزرو ہیں۔ شجرہ مذکور میں لکھا ہے:- ”اما لیان بوڑھے ڈاکوؤں کے آئے دن کے دستبرد سے تنگ آچکے تھے۔ اس لئے بہت سی منت سماجت کے بعد آپ کو موضع بیت الغریب سے

اپنے ہمراہ اپنے گاؤں لائے۔ آپ نے بوڑھے اگر پہلے تو اس گاؤں کے دفاعی کاموں

کو سنبھالا۔ چنانچہ اس گاؤں کی بڑی بوڑھیاں آج تک یہ گیت گاتی ہیں:-

گئی سند سے ظاہر ہوتا ہے کہ خواجہ محمد معصوم احمد شاہ ابدانی (عہد حکومت ۱۱۶۱ھ
 ۱۱۸۷ھ) کے عہد حکومت میں زندہ تھے اور سند کے دیئے جانے کے وقت فوت ہو چکے تھے۔
 پیر سبک کے دوسرے فرزند حاجی رکن الدین کی اولاد میں عالم شاہ اور پیر
 ہدی شاہ کی زیارتیں آج بھی مرجع خلافت ہیں۔ عالم شاہ ولد سیف الدین کامرانہ
 موضع کال ضلع ٹانک میں واقع ہے۔ موضع کال، بسال اور فتح جنگ کے درمیان ایک
 چھوٹا سا ریلوے سٹیشن ہے جبکہ حضرت فیض درجات، پیر طریقت، قبلہ عالم، سید
 ہدی شاہ کا مزار اقدس موضع ٹنگر شریف فتح جنگ، ضلع ٹانک میں واقع ہے۔
 جس پر ہر سال ایک عرس ہوتا ہے۔ ان کے فرزندوں میں علامہ محمد زبیر شاہ جامعہ
 اسلامیہ غوثیہ، پکوال کے بانی ہیں۔ دوسرے بیٹے صاحبزادہ محمد نور شاہ جامعہ اسلامیہ
 رحمانیہ ہری پور ہنزہہ میں شیخ الحدیث ہیں۔

مسعود شاہ ابن زمین الدین کی اولاد میں پیر محمد شرف شاہ المعروف
 ”دادا ٹیکہ“ ایک بزرگ گزرے ہیں جن کی زیارت ملکیت قوم محین تیل غوری والہ ضلع
 بنوں میں ہے۔ زائرین کا تانتا ہر وقت بندھا رہتا ہے۔ ان کے بیٹے میر ہوس شاہ کی
 اولاد موضع نار میر عباس شاہ علاقہ نورنگ ضلع بنوں میں آباد ہے۔ ان کے چند ہم
 رشتہ دار موضع جات تراپ (ضلع کیمیل پور) اور کٹری ضلع میانوالی میں رہتے ہیں۔
 تراپ میں سید گلاب شاہ (بلادر بزرگ) اور سید مسعود شاہ کٹری میں ہر دو پسران
 سید سیف اللہ شاہ بن سید فضل اللہ شاہ بن محمد گلاب شاہ بن سید مسعود شاہ بن ہادی
 دین متیں پیر سید زمین الدین ہیں۔

سید عظیم شاہ بن سید نظام شاہ بن سید شرف شاہ بن سید نقاب شاہ بن

سید سیف اللہ شاہ بن سید فیض اللہ شاہ بن سید گلاب شاہ بن مسعود شاہ
 بن سید زمین الدین۔
 گنج علوم محمد علی شاہ کے چار بیٹے تھے :-
 مہر محمد شاہ - لطف اللہ شاہ - محمد غوزیر شاہ - محمد منیر۔

مہر محمد شاہ کی اولاد موضع جی سر، میانوالی میں آباد ہے۔ راقم الحروف اسی
 شاخ سے تعلق رکھتا ہے۔

لطف اللہ شاہ کے پانچ بیٹے تھے :-

اللہ دین یا علاؤ الدین جنہیں اولاد میں بابا جی بھی کہتے ہیں۔ شیعری۔ سید عسکرت شاہ
 محمد اشرف اور زبیر شاہ (اولاد)

اسی شاخ میں اللہ دین شاہ المعروف اولادین بابا جی صاحب مشہور بزرگ
 گزرے ہیں جن کا مزار اقدس موضع خواجہ خیل ضلع بنوں میں زیارت گاہ خاص و عام
 ہے۔ ۱۸۲۳ء کی جنگ پیر سبک میں میاں اکبر شاہ المعروف سید بادشاہ کے ساتھیوں
 میں تھے۔ وہی اکبر شاہ جن کے بارے میں ایک انگریز مورخ کا کہنا ہے کہ اگر وہ ۱۸۵۷ء
 کی جنگ آزادی کے وقت زندہ ہوتے تو اس جنگ کا نقشہ ہی بالکل بدلا ہوا ہوتا۔

اللہ دین شاہ اس جنگ کے بعد حج بیت اللہ شریف کی نیت سے روانہ ہوئے۔ جب
 موضع غزنی خیل پہنچے تو چند دن یہاں قیام فرمایا۔ کچھ عرصہ موضع ٹونگ خیل میں بھی رہے
 یہاں پر قوم خواجہ خیل کے چند اکابرین نے ان سے درخواست کی کہ وہ ان کے ساتھ
 موضع خواجہ خیل چلے جائیں تاکہ ان کی برکت سے وہ اپنا گاؤں آباد کر سکیں کیونکہ اس
 زمانے میں ایک دوسری قوم آدم زئی کے دُشمنوں کے افراد کبھرے ہوئے تھے۔ انہوں

شاہ صاحب کی برکت سے یہ گاؤں ایک بار پھر آباد ہو گیا اور آدم زئیوں کی دستبرد سے محفوظ ہو گیا۔ یہیں پر انہوں نے تاجرزئی قوم کے ملک امام شاہ کے خاندان کی ایک لڑکی ”سونا“ نامی سے شادی کی اور وہیں بعد میں وفات پائی۔

ان کے بھائی میر عصمت شاہ کی اولاد میں عبدالوہاب شاہ بھی مشہور دلی گزرے ہیں۔ انہوں نے تعلیم ملتان میں حاصل کی کچھ عرصہ حضرت بابا اجی صاحب سوات کی خدمت میں رہے۔ بعد میں گولڑہ شریف کے چشتیہ سلسلہ میں بیعت کی اور موضع خواہر خیل کو مرکز قرار دیا وہاں رہتے آیا۔ ۱۹۲۵ء کے لگ بھگ فوت ہوئے۔ ان کی قبر بھی اللہ دین شاہ کے مقبرے کے اندر واقع ہے۔

عبدالوہاب شاہ کے بیٹے مقبول شاہ آج کل گدی نشین ہیں جو پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف کے سلسلہ چشتیہ کے مرید ہیں۔ سید مقبول شاہ کے بیٹے سید محبوب شاہ مستند عالم دین ہیں جنہوں نے ولوی صاحب تاج محمد آف مٹورہ سے علم ظاہری میں دستارِ فضیلت پائی ہے اور علم باطن میں عبدالمجید صاحب دیول شریف، فیض آباد (رادینٹری) سے فیض پایا ہے۔

راقم الخروف کا ناتاہیال بھی اسی خاندان سے ہے۔ عہدِ حاجی الحرمین سید زمان شاہ عبدالوہاب شاہ کے بھائی، طاہر شاہ کے بیٹے ہیں۔ انہوں نے سلسلہ عالیہ چشتیہ میں میرہ شریف کے احمد صاحب سے فیض حاصل کیا ہے اور گولڑہ شریف کے پیر مہر علی شاہ سے بھی وظیفہ پایا ہے۔

طاہر شاہ کے دوسرے فرزند سید گل شاہ کے چھ بیٹے ہیں :-
سلطان شاہ - مولانا یعقوب شاہ - محمد سعید شاہ - محمد سعید شاہ - جعفر شاہ -

صییب اللہ شاہ - مولانا یعقوب شاہ سنیافتہ عالم اور خوش بیان خطیب ہیں۔
سلسلہ نقشبندیہ میں گھمکول شریف (کوہاٹ) کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ اسی طرح لالپور (فیصل آباد) کے مولانا سرور احمد صاحب سے سلسلہ قادریہ میں بیعت اور خلیفہ ہیں سلطان شاہ کے فرزند ارجمند کشور حسین (عمر ۱۲ سال) حافظ کلام ربانی ہیں۔ سید مقبول شاہ ۱۹۸۳ء میں وفات پا گئے۔

میر عصمت شاہ ہی کی اولاد میں پیر محمد علی شاہ صاحب، عالم، بزرگ اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں پلغورہ شریف کے خلیفہ مبارک ہیں۔

چشتیہ میں میرہ شریف کے احمد صاحب سے فیض پایا ہے۔ پیر محمد علی شاہ کے والد میاں گل شاہ بن سید امیر شاہ بن محمد علی شاہ بن میر عصمت شاہ بن لطف اللہ شاہ بن محمد علی شاہ بن پیر زین الدین کے ہاتھ کا لکھا ہوا تقریباً ایک سو سال قبل ایک خوشخط شجرہ قائم الخروف کے پاس موجود ہے جس کے حاشیوں پر بعض بیش قیمت معلومات درج ہیں۔ پیر محمد علی شاہ کے نو بیٹے ہیں۔

حاجی غلام حسین شاہ، محمد حسین، قربان حسین، مشتاق حسین، علی حیدر شاہ، سجاد حسین شاہ (ایک ماں سے)، اکرم شاہ، محمد شاہ اور تہا شاہ (دوسری ماں سے) الحاج پیر سید محمد علی شاہ ۱۸ دسمبر ۱۹۸۵ء کو اس دار فانی سے دارالبعثت کو کوچ کر گئے آپ اپنے وقت کے ایک جید عالم دین اور روحانی پیشوا گزرے ہیں۔ معاصر روزنامہ نوائے وقت نے آپ کی وفات کی پہلی سالگرہ پر آپ پر ایک طویل مضمون شائع کیا جس کے چند تراشے حسب ذیل ہیں۔

”پیر صاحب نے فرمایا کہ میں نے واپسی پر ایک ہفتہ بمشکل گھر پر گزرا

خاندانِ راقمِ الحروف

راقم الحروف کا نسب نامہ یہ ہے :-

الطاف حسین شاہ، چراغ حسین شاہ، اختر حسین

شاہ ایان کیٹن (دریائے رند) الحاج سید عظیم شاہ بن علی اکبر بن حضرت شاہ بن مظفر شاہ بن اعظم شاہ بن حمید شاہ بن مہر محمد بن محمد علی شاہ بن سید زین الدین (بجوالہ بیان میں سید علی شاہ بن سید رضا شاہ بن حضرت شاہ)

”بموجب شنید از بزرگان سید مسعود شاہ (آف کٹرک) کا مہر اعظم شاہ ساکن تہی سرخا۔ بوقت حکومت سکھ پیر سبک مقابل نوشہرہ، سید مسعود شاہ نے ذاتی ناراضگی کی وجہ سے پیر اعظم شاہ کی بے عزتی کی۔ بدیں وجہ اس نے غیرت ایاتی کی بناء پر پیر سبک چھوڑ دیا اور تہی سرور دہوا۔ لیکن چند دنوں کے بعد سکھوں نے مسعود شاہ کے گھروالوں کی بے جمانی کرنی چاہی تو وہ کٹرک کی طرف ہوا۔ اعظم شاہ اسے وگی سے جنوب کو کٹرک کے راستے میں بیروالے تالاب المعروف ”بیرے اوتا“ چراگاہ میں مل گئے۔ جبکہ اعظم شاہ تالاب کے کنارے سویا پڑا تھا۔ سید مسعود شاہ نے اس کے دونوں پاؤں ایک ہی دار میں کاٹ دیئے۔ اعظم شاہ نے چونکے ہی اس کی تلوار کپڑی اور ایک پیر سے پکڑ کر ایک ہی گھر پور دار میں اسے قتل کر دیا۔

اعظم شاہ کا بھائی علی اکبر جنگ پیر سبک میں شہید ہوا۔ (بجوالہ حاشیہ تفسیر یعقوب چرخ) کاتب پیر مظفر شاہ ۱۲۷۷ء

برادرم الطاف حسین شاہ ایم اے سی اے سی اے۔ اسلامیہ کالج پشاور کی خیر نوبت کے ۱۹۶۴ء میں صدر رہ چکے ہیں۔ آجکل ڈائریکٹر انٹرنیشنل پوسٹل سروس اسلام آباد ہیں۔

زماں بعد جلدین خیل کے چرواہے گفت و شنید کے بعد اٹھا کر وگی سے گھر لے آئے وہاں سے زیوب رحمت خان کے گھر کے عقب میں جس کا نام ”جماعت کہ“ مشہور ہے۔ سلسلہ پیری مریدی شروع کیا۔ بدیں وجہ ہم قوم جلدین خیل کے ساتھ ملتی سمجھے جانے لگے۔ پھر وہاں سے جی میں عظیم خان ولد کم دین ساکن تہی سرکے گھر سے اپر مشرق صدر خان اور شیر گل ولد علی شیر خان ولد کم دین مذکور کے زمین کے مقام اتصال پر ”جماعت کہ“ نام کھنڈرات اب بھی موجود ہیں اور تعظیم اب بھی محفوظ ہیں۔ جب مظفر شاہ پیرش کی شادی کا سلسلہ درپیش ہوا تو موجودہ آبادی سادات تہی سر جو ایک ڈھیری ہے کو مرکزی اور پردہ دار محفوظ مقام سمجھ کر راستے کے جنوب کی طرف ”سٹرا کوٹ (بڑا کمرہ)“ عالیہ قابض سید سخی شاہ ولد سید رضا شاہ تیار کر دیا۔ عبادت کے لئے۔ نقاب شاہ ولد مخدوم شاہ کا مال مویشی کا موجودہ کمرہ جس کی چھت میں دو مارے لگے ہیں اور دو دروازے ہیں مسجد تھی۔ موجودہ مسجد و حجرہ بعد میں حضرت شاہ نے تعمیر کروائے ہیں۔ یعقوب شاہ ولد کلاب شاہ ولد حضرت شاہ کے گھر کے ایک کمرے میں کتابوں کی ایک ضخیم لائبریری تھی۔

میرے جد امجد اعظم شاہ بوبہ خاندانی محاسمت کے موضع بیت الغریب سے اٹھ کر موضع تہی سر (ضلع میانوالی، علاقہ بھنگی خیل خشک) میں آباد ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کے والد حمید شاہ بھی ان کے پیچھے تہی سر آئے۔ میرے والد سترم حاجی الحرمین کیٹن سید عظیم شاہ ۴۱-۱۹۴۰ء کے لگ بھگ تہی سر سے چل کر موضع تاجرنی (ضلع بون) میں آباد ہوئے۔ وہ ۱۹۱۳ء میں پیدا ہوئے۔

میرے نانا کا آبائی وطن موضع ٹنگر (ضلع کیمبل پور) ہے۔ وہ ۳۰-۱۹۲۹ء

کے اس پاس موضع نگر کو چھوڑ کر موضع خواجہ خیل (ضلع بڑوں) تشریف لائے۔ کچھ سال
دہاں رہنے کے بعد تاجپڑی گاؤں میں مستقل آباد ہوئے۔

سادات جی سر میں آجکل حاجی المہین سید یعقوب شاہ، حاجی سید حبیب شاہ،
حاجی عبداللہ شاہ، میر اعظم شاہ اور سید امیر شاہ پسران سید گلاب شاہ، سید نقاب
شاہ و قاسم شاہ پسران سید مخدوم شاہ اور سید سیدی شاہ، سید حاجی منور شاہ، یعنی
شاہ پسران سید رضا شاہ معروف اور قابل ذکر افراد ہیں۔

شاہان و امراء وقت کے ساتھ تعلقات

پیر سبک رحمۃ اللہ علیہ اور ان
کی اولاد بادشاہ و امراء سے
زیادہ تر دور ہی رہے اور سیاسی کشمکشوں اور لڑائی جھگڑوں سے دور تعلیم و تزکیہ
اور تربیت و اصلاح میں مشغول رہے لیکن اس کے باوجود شاہان وقت پر جب بھی
بڑا وقت آیا وہ طلب دعا کے لئے ان بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ ملنگ
نے بادشاہ دہلی کی ایک درخواست دربارہ دعا و توجہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جس
کا حال پہلے گزر چکا ہے۔ جہاں گہر نے پیر سبک رحمۃ اللہ علیہ کو جاگیر دی جس کی
بعد میں مختلف حکمران وقتاً فوقتاً توثیق کرتے رہے۔ ان قبائل میں جہاں گہر کے علاوہ
فرخ سیر، تیمور شاہ، شاہ زمان اور شہباز خان خٹک بگادی گئیں سادات آج
بھی محفوظ ہیں جن میں ان بزرگوں کا عزت و احترام سے ذکر کیا گیا ہے ان کو شیعیت

تاریخ وفات والد بزرگوارم - ۲۴ رمضان المبارک ۱۲۰۱ھ بمطابق ۲۶ جولائی ۱۹۸۱ء بھمبر ۶۸ سال
تاریخ وفات وقاص حسین گل یکم شوال ۱۲۰۱ھ بمطابق یکم اگست ۱۹۸۱ء بروز جمعہ بعد فجر بمطابق ۱۲ سال

وسیات پناہ اور حقائق و معارف آگاہان اور طائفہ جلیلہ جیسے القاسم یا دیگر گلیہ۔
”تاریخ پشاور“ میں تیمور شاہ ابن احمد شاہ ابدالی کے زمانے کا ایک واقعہ یوں
تحریر ہے :-

”توشہرہ کلاں پہلی دفعہ ویرانی و بربہ کا حال اس طرح ہے کہ زمانہ تیمور شاہ
میں باز نکلیہ جرم قتل کمال الدین نام ملازم شاہی جس کو باشندگان دیہہ نے مار دیا تھا
اور پہلے اس کے بیٹے نامعلوم الام کو جو اپنے زمانے کا نہایت وجہہ و صبح تھا، بھی
کسی بد معاش ساکن دیہہ ہڈانے قتل کیا تھا تو یہ گاؤں معروضی عتاب میں آکر حکم تیمور شاہ
جلا یا گیا۔ باشندگان دیہہ دیہات قریب و جوار اور علاقہ غیر کو بھاگ گئے۔ ایک مہینہ
تک گاؤں بے چراغ رہا۔ آخر الامر بشفاعت سادات پیر سبک و بیت الغریب
جیب قصور باشندگان کا حضور شاہی سے معاف ہوا تو سب لوگ آکر مدت اپنے
اپنے مکانات کے آباد ہوئے۔“

اس وقت پیر سبک قوم کے معتبرین میر محمد حسن، پیر اعظم شاہ اور عالم شاہ تھے۔
توشہ حال خان خٹک اور ان کے آباء و اجداد کے ساتھ تعلقات اور ان کے
خاندان پیر سبک کے ساتھ عقیدت و ارادت کا حال تو اس سے پہلے بیان کیا جا چکا
ہے۔ شہباز خٹک نے جو قبائل دیا ہے اس میں پیر میر مشرف کو نقاہت، نجابت
پناہ کے ساتھ عزیز القدر لکھا ہے۔ یہ ۱۲ شعبان ۱۲۰۰ھ کا واقعہ ہے۔

سکھوں کے زمانے میں جب پہلی بار مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اٹک کے اس پار
قدم رکھا تو پشتونوں کے مختلف قبائل: یوسف زئی، خٹک، ہمند وغیرہ نے
مل کو پیر سبک کے مقام پر ان سے سخت جنگ کی۔ لیکن دوست محمد خان داس نے

کابل کے بھائی میر اعظم خان کی بے اعتنائی کی وجہ سے مجاہدین ناکام ہو گئے
 اس جنگ کو "جنگ مومنین" بھی کہتے ہیں۔ پیر بابا کی اولاد میں امیر شاہ
 نے اس وقت پشتونوں کے لشکر کی کان کنی۔ پیر سبکی بزرگوں نے اس جنگ میں
 بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ شکست کھانے کے بعد سب سے بڑی آفت کا سامنا بھی انہی کو
 کرنا پڑا۔ گھر ویران ہو گئے، جائیداد چھین گئی، دنیاوی عزت و وقار کا خاتمہ ہوا
 لیکن ان بزرگوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں یہ سب تکلیفیں برداشت کیں۔ دور
 دراز مقامات پر منتشر ہو گئے۔ کوئی جنگوں میں چلا گیا تو کسی نے صحرا میں بود و
 باش اختیار کی۔ لیکن رشد و ہدایت اور تزکیہٴ مخلوق خدا کا کام جاری رکھا۔
 ۱۸۲۳ء کی اس جنگ پیر سبکی میں سکھوں کا مشہور سردار پیدلا سنگھ تہنگ
 مارا گیا۔ اس کی لاش موضع پیر سبکی میں جلوائی گئی۔ اس پر سماجی بنائی گئی اور
 نصف گاؤں کو تہنگوں کی جاگیر قرار دیا گیا۔ اس عمارت میں آج کل ایک زرعی
 تحقیقاتی فارم قائم ہے۔

انگریزوں کے وقت میں آزادی کے بعد پیر سبکی خاندان کے افراد زیادہ تر
 ملازمت پیشہ، زراعت پیشہ اور تجارت پیشہ ہیں لیکن بعض خوش نصیب آج
 بھی اپنے آبائی طریق کار کو قائم رکھتے ہوئے تزکیہ، تعلیم اور رشد و ہدایت کا
 سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے آباء و اجداد کے
 صحیح راستے پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔ کہ اس ذات پاک کی طرف سے
 نجات و عاقبت اسی میں ہے۔

پیرسباکی شعراء

نہ ہو کچھ آپ تو کیا فائدہ سے پڑھنا ابن فلاں ابن فلاں سے
(یہ مضمون ایک خصوصی مقالہ کا اردو ترجمہ ہے جو میں نے ۹ جون
۱۹۷۸ء کو لکھا تھا)

صوبہ سرحد اس لحاظ سے ایک انتہائی بر قسمت علاقہ ہے کہ اس علاقے کے قدیم
مشائخ عظام اور علمائے کرام کے مستند حالات زندگی بہت کم لکھے گئے ہیں۔ اگر کہیں
تھوڑی بہت معلومات لکھی جاتیں تو گڈ ٹڈ روایات کی شکل میں جو تصدیق کے
درجے کو نہیں پہنچ پاتیں اور اس کے ساتھ کبھی کبھی شریعت مقدسہ کی روح اور
علم تاریخ کے بنیادی اصولوں کے بھی خلاف ہوتی ہیں۔ آج اس مقالہ میں ہم ایک
ایسے ہی آستانہ دار گھرانے کے ان بزرگوں کا ذکر کریں گے جو شاعر و شاعری سے بھی
شغف رکھتے تھے لیکن ان کا کلام آج تک اکٹھا نہیں کیا گیا۔ امید ہے کہ ادبیات
کے تالفتین کے لئے یہ مضمون باعث دلچسپی ہوگا۔

پیرسباکی سادات پشاور کا ایک مشہور و معروف اور عزت مند گھرانہ ہے جو اپنے
جد امجد حضرت پیرسباک قدس اللہ سرہ العزیز کے نام سے موسوم ہے۔ یہ قبیلہ ضلع پشاور
کے بعض دیہات مثلاً پیرسباک، بیت الغریب اور شہید کے علاوہ کوٹاٹ، بونوں،
اور ڈیرہ کھٹیل خان کے علاوہ میں بھی آباد ہے۔ اس کے بعض گھرانے صوبہ پنجاب
کے اضلاع میانوالی اور اٹک میں بھی قیام پذیر ہیں۔ اس کے علاوہ برما اور بھارت کے
صوبہ آسام وغیرہ میں بھی ان کی اولاد پھیل گئی ہے۔ ان پیرسباک رحمۃ اللہ علیہ کے
تین بیٹے تھے: - فرید الدین، رکن الدین اور رحیم الدین۔ بعض شجروں اور تاریخ

مرصع میں ایک چوتھے بیٹے کا بھی ذکر شہاب الدین کے نام سے کیا گیا ہے۔ سید فرید الدین
اپنے والد کی وفات کے بعد ۱۰۲۵ھ میں ان کے جانشین اور طریقہ عالیہ ہمدردیہ میں
ان کے ماذون مقرر ہوئے۔ فرید الدین کی وفات کے باوجود یہ گدی ان کے چھوٹے بیٹے
پیرزین الدین کو ملی۔ زین الدین اپنے وقت کے عالم فاضل بزرگ اور جہانگیر عالم
دین تھے۔ اس وقت کے اکثر علم علماء و مشائخ ان کے ساتھ کدورت رکھتے تھے۔
مناظروں اور علمی مسابحوں میں تالفتی کا کام اکثر ملتان اور لاہور کے علمائے کرام سر انجام
دیتے تھے اور فیصلہ ہمیشہ پیرزین الدین کے حق میں ہوتا۔ زین الدین کے مناقب ان
کے مریدوں نے لکھے ہیں حضرت خواجہ ملا نے نظم میں اور فضل حسین دل عبد اللہ
نے نثر میں ان کے فضائل بیان کئے ہیں۔ ملنگ ایک خوش بیان شاعر، عالم اور ادیب
بزرگ تھے اور اس جلیل القدر خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس میں وقار محمد شمیم اور خواجہ
محمد صدیق جلیلی اور عالم اور شاعر بھی پیدا ہوئے۔

ان کی ان مناقب سے پتہ چلتا ہے کہ پیرزین الدین کثیر التعداد کتابوں کے
مصنف تھے۔ انہوں نے اپنے اشعار کو مثنوی کی صورت میں جمع کیا تھا۔ ان کی ان
تصنیفات میں "یقینۃ اللدین" نامی کتاب کا ایک خوشخط تلمی نسخہ رقم الحروف
کے پاس آج بھی موجود ہے۔ یہ کتاب علمی لحاظ سے کافی قیمتی اور بلند پایہ ہے یقیناً
اخلاق اور علم الکلام کے باریک مسائل کو چالیس سے زائد احادیث کی تفسیر اور تشریح
کی شکل میں بیان کیا گیا ہے۔

پیرزین الدین "علم ظاہری میں حضرت انور محمد جالاک اور حضرت تواب محمد بنور
گیلانی کے شاگرد و شاگرد تھے اور طریقہ عالیہ ہمدردیہ میں حضرت شیخ سعدی لاہوری

کے مصاحبین میں شامل تھے۔ حضرت سرالاعظم سچلی اُمّی ان کے پیر بھائی اور ہم درس تھے۔ مناقب زین الدین کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر زین الدین کی وفات کے بعد شیخ سچلی اُمّی ان کی فاتحہ خوانی کے لئے بیت الغریب تحصیل نوشہرہ تشریف لائے تھے اور مزار مبارک پر مراقبہ بھی فرمایا تھا۔ شیخ سچلی نے ۱۱۳۱ھ میں عالم بقا کی طرف کوچ کیا۔ اخوند جالاک جو روحانی اور عرفانی مرتبہ رکھنے کے علاوہ ایک فاضل عالم، ادیب اور مورخ بھی تھے۔ ۱۰۶۷ھ میں فوت ہوئے۔ ان تفصیلات کے بیان کرنے کے بعد بڑی آسانی کے ساتھ پیر زین الدین کے زمانے کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ زین الدین اپنے ایک شعر میں اپنے ان اساتذہ کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

ابتداءً علومش زچالاک بود منتہائے علومش ز (پوس) افلاک بود
پیر زین الدین کے ایک پوتے محمد شاگرد بھی فارسی زبان کے ایک بہترین شاعر اور ادیب تھے ۱۱۸۶ھ تک بقید حیات تھے۔ ان کی ایک مارتانہ رباعی بہت مشہور ہے۔

کنج عزلت ز گنج شاہی بہ شکر دایم ز گاہ گاہی بہ
یکے دے یاد او با آگاہی زانسو تاج شاہی بہ
شیخ المشائخ قدوة السالکین حضرت پیر بابک کے تیسرے بیٹے رحیم الدین کی اولاد میں پیر محمد فاضل اور پیر معظّم شاہ دونوں ادیب اور شاعر گزرے ہیں۔ فاضل محقق عبدالحی حبیبی نے اپنی تالیف ”دینتائہ شعراء“ میں ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ ”اس شاعر کو ایک توہم کلید افغانی کی وجہ سے اور دوم راوی نام علی آفریدی کے ایک قصیدے کے حوالے سے ان کا ذکر کرتے ہیں ان کا اور کلام اور

حالات معلوم نہیں۔ بس ”کلید افغانی“ میں پادری بیوز نے ان کے کلام کے تین نمونے نقل کئے ہیں۔ فاضل کا کلام عاشقانہ ہے اور جدت کی طرف مائل ہے۔
رئیس المحققین قاضی عبدالحلیم اثر صاحب نے ”تیرہویہ شاعران“ کے عنوان کے تحت رسالہ ”تیسرے“ کے ۱۹۶۸ء کے سائنڈے میں دو اشخاص کا ذکر کیا ہے جو فاضل کے نام سے گزرتے ہیں۔ راقم الحروف کے نام ایک خط میں فاضل ٹولف نے باپ بیٹے دونوں کا ذکر بطور شاعر کیا ہے۔ حاندانی روایات کے مطابق پیر محمد فاضل ایک عالم فاضل بزرگ اور مجاہد غازی تھے۔ احمد شاہ اہلانی کے ہمراہ ہندوستان کے جہاد میں شریک ہوئے تھے۔ ان روایات کے مطابق اگرچہ فقیر نش اور صوفی طبع بزرگ تھے لیکن ان کا کلام اس کے برعکس بہت رنگین اور عاشقانہ ہے۔ کلام کا نمونہ درج ذیل ہے:-

سرد کہ لیدہ شی د چیت تازہ تازہ
ستا حسن ترو نیم ماہ من تازہ تازہ
نوم د صہوئے شان شوکت د د پیر عی
ملا دہ نہی نینہ د رفتن تازہ تازہ
زلف د سنبل دی یا بنامادی پہ چند سہرہ
یا د داڑھ نافے دی دخت تازہ تازہ
ساہ راخنہ خیرتری روح م پاس راغہ پہ شونہرہ
راورہ پہ خستہ بانڈے دیدن تازہ تازہ
دائی رقیبان چہ لہ آشنا سرہ ماہ خانہ
نہ دی چہرے زد کمری د دینمن تازہ تازہ

کھرچہ کہ سمن دکھستان ترد تازه دے
 ستاجین سل حله ترچین تازه تازه
 کورہ ستالہ مینے زربے دے دے ویچے دینے
 رحم کرہ شیرینے پہ کورہ کت تازه تازه
 سترکے دے یعقوبی دربانڈے حککہ شوے روئیلنے
 بوی تاو دے یوسف دے پیراھن متازہ تازه
 سازدے سنبہ مجلس دے سنبہ یاران سرہ راجع
 وایہ اے فاضل ہر سخن تازه تازه

فاضل نے ۱۱۸۱ھ سے پہلے وفات پائی کیونکہ "تاریخ رحمت خان"
 کا مؤلف پیر معظّم شاہ جو فاضل کا بیٹا ہے اپنے والد کے نام کے ساتھ تاریخ حافظ
 رحمت خان کی تالیف کے دوران مرحوم و محفور لکھتے ہیں۔ رادٹی نے قاسم علی آفریدی
 کے جس تصدیقے کا ذکر کیا ہے اس میں فاضل کا ذکر یوں آتا ہے۔

اللہ داد و کورہ داد کہ دروینزہ دو۔ جان محمد اول فاضل دو پہ دنیا
 اس تصدیقے سے پتہ چلتا ہے کہ فاضل قاسم علی آفریدی سے پہلے گزرے ہیں
 قاسم علی آفریدی کا زمانہ ۱۱۸۳ھ تا ۱۲۳۱ھ متعین کیا گیا ہے۔ فاضل کے ساتھ
 ایک اور شاعر جان محمد کا ذکر بھی آتا ہے۔ یہ جان محمد احمد شاہ بابا کے زمانے کا ایک
 عالم اور دینار شاعر تھا۔ لہذا متغواہ میں اپنی کتاب "نورنامے" کی وجہ سے شہرت
 رکھتے ہیں۔

محمد فاضل کا بیٹا پیر معظّم شاہ اپنی تالیف "تاریخ حافظ رحمت خان" کی وجہ

سے شہرت رکھتے ہیں۔ یہ کتاب انہوں نے ۱۱۸۱ھ میں حافظ رحمت خان شہید کے حکم پر
 یوسف زئیوں کی ایک قدیم تاریخ سے تخریص کی ہے۔ پیر معظّم شاہ ۱۲۰۸ھ تک زندہ
 تھے۔ تیمور شاہ اور شاہ زمان دونوں کا عہد دیکھا تھا۔ ایک تاریخی واقعے سے معلوم ہوتا
 ہے کہ دونوں باب بیٹیاں سوزئی دربار میں مقبول و مکرم تھے۔ فاضل کا خاندان آج
 اپنے جہلمجد رحیم الدین کے نام کی مناسبت سے "رحمیں خیل" کہلاتا ہے۔

محمد معظّم شاہ عالم، ادیب اور مؤرخ ہونے کے ساتھ ایک صاحب طرز شاعر بھی
 تھے۔ اپنی تاریخ کی کتاب کے بعد اس کے خاتمے پر انہوں نے جو اشعار موزوں کہے ہیں ان
 سے ان کی قادر الکلامی کا پتہ چلتا ہے۔ حافظ اپوری کے ساتھ محققین میں معظّم کا
 ذکر کرتے ہیں اور جسے صاحب دیوان شاعر سمجھا جاتا ہے وہ ہی معظّم شاہ ابن محمد فاضل
 تھے۔ یہ موضوع تفصیلی بحث کا مستحق ہے۔

اپنی کتاب کا خاتمہ ان اشعار سے کرتے ہیں۔

شکر شکر چہ مکتوب شہہ ذاکتاب شہہ اسلوب شہہ

ذاکتاب اول طویل دو ویر پہ دہ کیے قال و قیل دو

طویل ہر شوکہ ویر شہہ دی بارے بیاترے ملال زمرہ دی

اس سے پہلے حافظ رحمت خان شہید کے شانستہ اخلاق و صفات کا ذکر ان اشعار

میں کرتے ہیں۔

چہ پہ ہند کہنے لکہ نور دے تمام ہند پرے سنور دے

پہ سنبہ خوئی خصلت موصوف دے پہ وگوری کہنے معرف دے

یہ ہر علم کہنے فہم دے ویر پہ شرعہ مستقیم

شان و شوکت کے امیر دے خوئی خصلت کے دَفقیر دے
 محمد بن ابن حافظ عمر ابن زین الدین کی اولاد میں شیخ الاساتذہ حضرت شاہ
 یحییٰؒ ایک عالم دین بزرگ گذرے ہیں۔ انہوں نے "منتخب" کے نام سے عقائد
 کی ایک کتاب پشتو زبان میں لکھی تھی جس میں اکثر حوالے عربی کی ایک کتاب "عقائد نسفی"
 سے اخذ ہیں۔ شاہ یحییٰؒ پشتو اور فارسی کے اچھے شاعر تھے۔ اپنے بیٹے کی آبگانی موت
 پر جو دردناک مرثیہ لکھا، اس کے چند تفرق اشعار جو اس وقت مجھے یاد رہ گئے ہیں درج
 ذیل ہیں۔ بیٹے کا نام سید حسین تھا جو مسجد کے کنوئیں میں گر گیا تھا۔

پہ ہوس ہوس دا تللے تورا کوئی تہ پر یوتلے
 تابہ کوری وی پہ تور تم کنن پہ سوسوشانے چخاردنہ
 سید حسین زویہ راشہ دابکارہ کہ داسرے شوندرے سین غاغونہ
 پہ ہمزو لو کینے دے راشم نہ دے وینم پہ ژراشم
 ان کے علاوہ محمد علی شاہ ابن زین الدین کی اولاد میں سید نامولانا شیخ الفاضل
 والعارف الکامل پرنظر شاہ جو راقم الحروف کے جد امجد تھے ایک بہت بڑے دلی اور
 عالم دین تھے۔ ان کا کتب خانہ آج تک مشہور ہے۔ انہوں نے کتنا قدر شناس اولاد نے
 وہ قیمتی کتابیں یا تو دریا برد کر دیں یا اوروں کے حوالے کر دیں۔ بھنگی خیل تنگ ان کے
 ساتھ بے پناہ عقیدت رکھتے تھے بلکہ یہاں تک مشہور ہے کہ خوش عقیدہ بھنگی خیل اپنی
 جہالت کی وجہ سے ان کے نام کی قسم اٹھاتے تھے۔ آج بھی ان کے قبر سے میں لوگ اپنی
 قیمتی اشیاء امانت رکھتے ہیں اور کوئی انہیں ہاتھ نہیں لگاتا۔ مزار مبارک کے احاطے
 کا دروازہ دہڑی پتھروں کی سلوں سے بنا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ اگلے وقتوں میں

حرامی اور حلالی اولاد میں فرق کرنے کے لئے انہیں اس دروازے سے گزارا جاتا تھا۔ اگر گریب
 میں کچھ غلطی ہوتی تو دروازہ خود بند ہو جاتا۔ لیکن آج کل زمانے کی گردش کی وجہ سے وہ
 دروازہ بالکل ہی بند ہے۔

پرنظر شاہ کے زمانے کی چند مہریں اب بھی ہمارے خاندان کے پیر عبداللہ شاہ
 کے پاس موضع جٹی سر میں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک ہر پیر تاریخ ۱۲۶۷ھ درج ہے۔
 دو مہریں پرتواضی نور الدین اور قاضی صاحب دین کے نام علیحدہ علیحدہ کندہ ہیں
 دو دروازے جو بھی فتوے قنادے آتے، ان پر جدم بزرگوارم پرنظر شاہ کی
 طرف سے ہی دو قاضی صاحبان مہر ثبت کر دیتے۔ راقم الحروف کے پاس ایک
 خوشخط قلمی کتاب موجود ہے جس میں مندرجہ ذیل کتابوں کے اقتباسات درج ہیں
 (۱) رشیدیات از لای الرشید (۲) رسالہ از اخوند درویش (۳) نور نامہ
 از جان محمد (۴) مناجات از علی خان (۵) ۱۳ دیگر مسائل۔

یہ کتاب پرنظر شاہ نے تاریخ ۱۲۷۷ھ کو اپنی خواہر زادی
 بی بی رحیمہ کے لئے نقل کی ہے۔ اس کے علاوہ فقہ کی مشہور کتاب "کنز الدقائق"
 بصرہ عربی تشریح و تفسیر ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی موجود ہے۔ ان کے ایک فتوے کی
 نقل بھی راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔

پرنظر شاہ کی اولاد میں حبیب شاہ اور علی اکبر شاہ نام کے دو بزرگوں کا
 ذکر آتا ہے جن کا ایک آدھ شعر ناقدر شناس اولاد کو بطور تبرک یاد ہے۔
 آخر یہ شی پاتے سیاھی پہ کاغذ بانڈے
 حبیب شاہ غریب بہ شی شوراورد لاندے

پچھلے دنوں ایک اور کتاب میرے ہاتھ لگی۔ اسے پیر محمد مظفر شاہ ابن
سیادت پناہ محمد انعم شاہ نے۔ اجمادی الثانی ۱۲۶۹ھ قلمی کیا ہے۔
کتاب "قصۃ المشائخ" ہے جو خواجہ محمد زاہد نے لکھی تھی۔ اس کتاب کے اب
تک تین قلمی نسخے مل چکے ہیں۔ اس قلمی نسخے کے اختتام پر پیر مظفر شاہ
نے اوپر والا شعر لکھا ہے :

سیاھی یو پاتے شے بکاغذ یا ند
دہ فقیر مظفر بویشے تر خاور و لاند

۲۱۵ شجرہ پیر سبک

اب تک مجھے پیر سبکیوں کی مختلف شاخوں کے کئی شجرے، اولاد حضرت
شاہ منصور کے دو شجرے۔ میاں جی خیل فاندان کا ایک شجرہ اور چالاک خیلوں
کے دو شجرے ہاتھ آئے ہیں۔ ان سب شجروں میں ایک شجرے وہ ہیں
جو عمومی رد و بدل کے ساتھ ادچی سادات کے شجروں کے ساتھ ملتے ہیں۔ وہم
وہ شجرے جو امام موسیٰ کاظم تک تو پہنچتے ہیں لیکن جن میں ادچ شریف کے
بزرگوں کا ذکر نہیں ہے۔

پیر سبکیوں کے شجروں کا ماخذ اولین "قصۃ المشائخ" نام کی کتاب
ہے۔ اس کے صفحہ ۱۰۳ پر جو شجرہ دیا گیا ہے وہ چالاک خیلوں کے شجرے سے ملتا ہے
شجرہ یوں ہے۔

پیر سبک^۱ ابن سید ابوبکر^۲ ابن سید اسمعیل^۳ ابن سید امیر علی^۴
ابن میر کلان^۵ ابن قلندر شاہ^۶ ابن سیدی^۷ ابن سید سلیمان^۸ ابن
میر قطب الدین^۹ ابن سید سلطان^{۱۰} ابن سید عبدالرحمن^{۱۱} ابن سید احمد^{۱۲}
ابن مولانا محمد^{۱۳} ابن سید الدین^{۱۴} ابن میر حمید الدین^{۱۵} ابن سید علی کبیر^{۱۶}
ابن سید طاہر^{۱۷} ابن میر یعقوب^{۱۸} ابن سید بہاؤ الدین^{۱۹} ابن سید جلال الدین^{۲۰}
ابن سید یوسف^{۲۱} ابن درویش^{۲۲} ابن مولانا جمشید^{۲۳} ابن عالم شاہ^{۲۴}
ابن میر عبداللہ^{۲۵} ابن سید بہادر^{۲۶} ابن سید کبیر^{۲۷} ابن سید بہلول^{۲۸}
ابن خواجہ علی^{۲۹} ابن مولانا سید شجر^{۳۰} ابن سید القادر^{۳۱} ابن سید شہاب الدین^{۳۲}

ابن مولانا کریم الدین ^{۳۲} ابن مولانا شاہ محمد ^{۳۴} ابن سید خیر الدین ^{۳۵} ابن سید علاء الدین ^{۳۶}
 ابن امام موسیٰ کاظم ^{۳۷} ابن امام جعفر صادق ^{۳۸} ابن امام محمد باقر ^{۳۹} ابن امام زین العابدین ^{۴۰}
 ابن امام حسین ^{۴۱} ابن حضرت علی کرم اللہ وجہہ

شجرہ پیر خلیل گلی (ضلع بنوں) اولاد پیر چالاک برادر پیر سبک پور ہے۔

سید چالاک ^۱ ابن سید ابوبکر ^۲ ابن سید اسماعیل ^۳ ابن سید امیر علی ^۴
 ابن سید گلان ^۵ ابن سید قلندر ^۶ ابن سید ولی ^۷ ابن سید سلیمان شاہ ^۸
 ابن سید قطب الدین ^۹ ابن سید علی ^{۱۰} ابن سید سلطان شاہ ابن سید محمد ^{۱۱}
 ابن سید شمس الدین ^{۱۲} ابن سید یعقوب شاہ ^{۱۳} ابن سید بہاؤ الدین بن چالاک الدین ^{۱۴}
 ابن سید یوسف شاہ ^{۱۵} ابن سید درویش محمد ^{۱۶} ابن سید جمشید ^{۱۷} ابن سید عالم شاہ ^{۱۸}
 ابن سید عبید ^{۱۹} ابن سید بہاؤ الدین ^{۲۰} ابن سید کبیر ^{۲۱} ابن سید خواجہ علی مجید ^{۲۲}
 ابن سید سحر ^{۲۳} ابن سید عبدالقادر جوریج (حبور رحمۃ اللہ علیہ) ^{۲۴}
 ابن سید کل الدین ^{۲۵} ابن رکن الدین ^{۲۶} ابن سید شاہ ^{۲۷} ابن خیر الدین ^{۲۸}
 ابن علی الدین ^{۲۹} ابن سید موسیٰ کاظم ^{۳۰} ابن سید جعفر صادق ^{۳۱} ابن امام باقر ^{۳۲}
 ابن امام زین العابدین ^{۳۳} ابن امام حسین علیہ السلام ^{۳۴} ابن امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ

یہ شجرہ ۱۳۲۸ھ کو لکھا گیا ہے۔ کاتب نامعلوم الاعم ہے۔

کتاب قصتہ المشائخ کے خاتمے پر پیر سبکیوں کی مختلف شاخوں کا جو مفصل
 شجرہ نسب درج ہے اس میں پیر سبک قدس سرہ کا شجرہ حضرت سید جلال سرخ بخاری
 (ادعی شریف) کے واسطے سے حضرت امام موسیٰ کاظم ۴ سے جا کر ملتا ہے۔ یوں ہے:-

پیر سید محمود لقب پیر سبک ^۱ ابن سید ابابکر ^۲ ابن شاہ اسماعیل ^۳ ابن سید میر علی ^۴
 ابن سید میر گلان ^۵ ابن سید قلندر شاہ کریم ^۶ ابن سید مروان اللہ ^۷ ابن سید سلیمان ^۸
 ابن سید قطب الدین قطب عالم ^۹ ابن سید علی کبیر ^{۱۰} ابن شاہ سلطان ^{۱۱} ابن شاہ عبدالرحمن ^{۱۲}
 ابن سید احمد ^{۱۳} ابن سید محمود ^{۱۴} ابن سید رکن الدین ^{۱۵} ابن سید عامد کبیر ^{۱۶}
 ابن سید ناصر الدین ^{۱۷} ابن سید جلال ستر بخاری لقب بہ مخدوم جہانیاں ابن قطب زمان ^{۱۸}
 سلطان سید احمد کبیر ^{۱۹} ابن سید جلال سرخ بخاری ^{۲۰}

یاد تپاہ سید قمر الدین منصور خلیل کا شجرہ جو ۱۲ صادی الثانی ۱۲۱۷ھ کو سردار محمد
 عیسیٰ خان نے سپرد تلم کیا ہے۔ وہ بھی حضرت مخدوم جہانیاں کے واسطے سے حضرت امام
 موسیٰ کاظم سے جا ملتا ہے۔

سید جلال الدین حسین جلال اعظم شہ شاہ میر سرخ بخاری (ولادت ۵۹۵ھ وفات ۶۱۹ھ
 خزاہ مقدس اوج شریف) ابن سید ابی انموید علی (مویب اللہ) ابن سید جعفر (رحمت اللہ)
 ابن حضرت محمد (صفی اللہ) ابن سید محمود (مختار اللہ) ابن سید احمد (مقبول اللہ) ابن
 سید عبداللہ (اسلام اللہ) بن سید علی اصغر (جمیل اللہ) بن سید جعفر ثانی (جلیل اللہ)
 بن سید امام علی النقی (منصف بہ اخلاق اللہ) ابن سید محمد خواجہ النقی اللہ ابن سید امام
 سلطان علی الرضا ابن سید امام موسیٰ کاظم (محب اللہ) ابن سید امام جعفر صادق (نجی اللہ)
 ابن سید امام باقر (مدن علم اللہ) ابن امام زین العابدین علی ابن سید امام حسین (سید
 الشہداء دین اللہ) بن حضرت امام علی المرتضیٰ (حیدر کراز شکل کتبا اسلام اللہ الخائب
 کرم اللہ وجہہ)

سادات بلند خیل کا جو شجرہ مجھے جناب پیر شایع جان مکہ اڑمٹریا میں لٹا دیکھ کر ڈرے ملا۔ وہ بھی قصہ المشائخ کے اندرونی صفحات کے شجرے اور پیراں لکھی کے شجرے سے کافی ملتا ہے شجرہ وزح ذیل ہے۔

سید شاہ جهان بن حضرت شاہ بن محمد امیر شاہ بن میر شہاب الدین بن سید علی بن سید شہزادہ بن محمد شاہ بن فیض اللہ بن اب الدین بن سید شہباز بن سید گشتی بن سید عمر بن سید ابوبکر بن سید شاہ اسمعیل بن سید شاہ میر علی بن سید میر بن سید شاہ قلندر بن سید ولی بن سید شاہ سلطان بن سید عبدالرحمن بن سید احمد بن سید محمد بن سید داؤد بن سید نور بن سید علیم شاہ بن سید طاہر الدین بن سید یعقوب بن سید بہاؤ الدین بن سید جلال الدین بن سید یوسف شاہ بن سید شاہ محمد بن سید حمید شاہ بن علیم شاہ بن سید جاوید الدین بن سید کبیر بن سید حکیم بن سید خواجہ علی بن سید عرب شاہ شاہ عبدالقادر بن سید بدر الدین بن سید رکن الدین بن سید خیر الدین بن علاؤ الدین بن سید امام موسیٰ کاظم بن سید جعفر صادق بن امام باقر بن امام زین العابدین بن امام حسینؑ

شجرہ مذکورہ بالا کو مشہور ماہر النساب سید تقی علی نقوی ناظم آباد کراچی نے مستند قرار دیا۔ (راجم الحروف کے نام خط مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۸۱ء)

کتاب توالہ جات

قصہ المشائخ (فارسی، تلمی) مصنف خواجہ محمد زاہد۔

بصعۃ الاربعین (فارسی، تلمی) مصنف پیر زین الدینؒ

مناقب زین الدینؒ (فارسی متر، تلمی) مصنف فضل حسین ولد عبدالہدائی۔

مناقب زین الدینؒ (فارسی نظم، تلمی) مصنف مولانا خواجہ ملکؒ

بیان سید محبوب شاہ پیر سبکی (اردو، تلمی)

بیان سید سبکی شاہ ابن سید رضا شاہ تہی سر (اردو، تلمی)

مناقب شیخ حمادی صاحب (فارسی، تلمی) مصنف شیخ عبدالعلیم بابا ابن کاکا صاحبؒ

مراقات رحکار (فارسی، تلمی) اخوند درویشؒ

تذکرۃ الابراہم والاشرار (فارسی چھاپ) اخوند درویشؒ

قبائے وندت دربارہ عطائے موضع شہر صفا مشہور بہ موضع پیر سبک، منجانب

حکمران وقت و سرداران قوم تین اولاد پیر سبک رحمۃ اللہ علیہ۔

خانہ قادی شجرے، ان میں پیر سبکیوں، منہور خلیوں، چالاک خلیوں اور میانخی خلیوں کے

شجرے شامل ہیں۔ ان شجروں کے حاشیوں پر قیمتی معلومات درج ہیں۔

تاریخ موضع (پشتو چھاپ) مولفہ محمد افضل خان خٹک۔

سوات نامہ (پشتو، چھاپ) خوشحال خان خٹک

مناقب فقیر جمیل بگ (پشتو، چھاپ) میان شمس الدین۔

مناقب شیخ رحکارؒ (پشتو، تلمی) میان شمس الدین۔

کا کا صاحب (اردو چھاپ) سرفراز خان خشک عقاب۔

پیر سبک (اردو چھاپ) سرفراز خان خشک عقاب۔

روحانی روابط (پشٹو چھاپ) قاضی عبدالحلیم اثر افغانی۔

تذکرہ رحمتکار (اردو چھاپ) میان سیاح الدین کا کا خیل۔

تاریخ پشاور (اردو چھاپ) منشی گوپال داس۔

تاریخ سادات گدوہ (فارسی علمی) مصنف محمد شاہ گندفی۔

حیات افغانی (اردو) محمد حیات خان۔

دی پھکان (اردو ترجمہ) سروالک کیرو۔

اسلام اور موسیقی (اردو چھاپ) مولانا جعفر شاہ پھلواری۔

تواریخ حافظ رحمت خانی (پشٹو چھاپ) پیر معتمد شاہ۔

جس کے حواشی روشن خان نے لکھے ہیں۔

پشتانہ شعراء - عبدالحی جیبی۔

شرح جاوید نامہ - یوسف سلیم جیٹی۔

عرفان (جلد اول و دوم) مصنف سلطان الفقرا، حضرت فقیر نور محمد سردری

قادری، کلاچوی۔

ماہنامہ تندر - جنوری فروری ۱۹۷۳ء - مضمون قاضی عبدالحلیم اثر افغانی۔

تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی از مولانا تور احمد خان فریدی - یکم ستمبر ۱۹۵۷ء

پشتانہ تاریخ پہ درنواکین - بہادر شاہ ظفر کا کا خیل۔

احوال العارفین مصنف حافظ غلام فرید سرگودھا۔

مخزن پشتو از اخوند درویش

قصیدہ بردہ (عربی) حضرت امام شرف الدین محمد ابو صیری

ترجمہ قصیدہ بردہ (فارسی) از علامہ عبدالرحمن جامی محمد فیاض الدین نظامی

صوات نامہ حاشیہ پشتو از جناب عبدالحی جیبی

مقالہ اولس کوئٹہ ماہنامہ نومبر، دسمبر ۱۹۷۳ء از عبدالحلیم اثر افغانی

کوہاٹ ڈسٹرکٹ گزیٹیر ۸۴ - ۱۹۸۳ء

کلیات خوشحال خان مرتبہ دوست محمد کامل

احوال العارفین مؤلف حافظ غلام فرید صاحب

مقدمہ خیر البیان از جناب عبدالقدوس ہاشمی

برکی بیان مصنف مولانا احمد حسن لسنودی

رسالہ الالتقاء مصنف حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

دیوان شاکر مصنف میر محمد شاکر

روضۃ الصابریں (علمی) از صاحب

خلافت و سلوکیت مصنف ابو الاعلیٰ مودودی

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل افراد گرامی کے خطوط راقم الحروف کے نام سے ہی

استفادہ حاصل کیا گیا ہے۔ میں ان سب حضرات محترم کا انتہائی ممنون و مشکور ہوں۔

(۱) قاضی عبدالحلیم اثر افغانی - تخت بھائی - مردان۔

(۲) مولانا سید محمد جعفر شاہ پھلواری - کراچی۔

(۳) میان بہادر شاہ ظفر کا کا خیل۔

- (۴) مفتی سیاح الدین کاکاخیل۔
 (۵) ایوب صابو، کوہاٹ۔
 (۶) محمد پرویش شاہین، منگلور۔ سوات۔
 (۷) سر فزاد خان عقاب خشک۔
 (۸) سید فیروز شاہ اثر گیلانی۔ اکبر پورہ۔ پشاور۔
 (۹) خان روشن خان۔ نوان کلی۔ مردان۔
 (۱۰) محمود حسین شاہ۔ پیرسباکی۔ بھکر۔ میانوالی۔
 (۱۱) مولانا فیضریاب حسین اٹھینی ترمذی۔ بھکر۔ میانوالی۔
 (۱۲) سید عبدالوہاب شاہ۔ پیرسباکی۔ کٹرکی۔ میانوالی۔
 (۱۳) حاجی محراب شاہ۔ محلہ شاہ معصوم۔ پشاور۔
 (۱۴) میان شاکر اللہ گوہر گڑھی۔ مردان۔
 (۱۵) چودھری غلام محمد تندر صابری۔ کیمیل پور۔
 (۱۶) سید سلطان بادشاہ۔ جنگل خیل۔ کوہاٹ۔
 (۱۷) پیر سید بادشاہ۔ منصور خیل۔ کوہاٹ۔
 (۱۸) سردار لکیرو۔ سیکس۔ انگلینڈ۔
 (۱۹) مشتاق حسین شاہ پیرسباکی۔ پشاور۔
 (۲۰) الحاج قاری سید محمد عباس۔ اتر زئی۔ کوہاٹ۔
 (۲۱) پیر محمد یونس شاہ۔ کٹرکی۔ میانوالی۔

- (۲۲) مولانا سمیع الحق۔ کوڑہ خشک۔ پشاور۔
 (۲۳) حاجی محی الدین۔ منصور خیل۔ کوہاٹ۔
 (۲۴) سید نوبہار شاہ شیخوہ۔
 (۲۵) پیر شاہجہان پیر درہ اڈمٹریا پان نوشہرو۔ پشاور۔
 (۲۶) سید تعظیم علی نقوی۔ ناظم آباد کراچی۔

- ۱- پیر محمد مظفر شاہ نے کتاب "قصۃ الشیخ" کا جو نسخہ اپنے ہاتھ سے ارجا دی اثنا ۱۲۴۹ھ کو قلمی کیا ہے اس میں بعض جگہ سباق درج ہے جبکہ اکثر جگہ "سبک" لکھا ہوا ہے۔ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ سباق زمانہ حال کی ایجاد نہیں ہے۔
- ۲- اسمار علاقہ کونٹر (افغانستان) کی تین چھاؤنیوں میں سے ایک ہے۔ پیر سبک کے بڑے چھائی پیر عمر کی اولاد کونٹر میں آباد میں کی جاتی ہے۔ شجرہ نویس نے شاید ان کے مزار کو شاہ اسماعیل کے مزار سے خلط ملط کر دیا ہے یا یہ ہو سکتا ہے کہ اسمار علاقہ خوست میں بھی کسی شہر کا نام ہو۔ واللہ اعلم۔
- ۳- ڈنگری پیر کا مزار اقدس بانڈہ داؤشاہ کوٹ میں واقع ہے۔ ان کا اصلی نام نعمان تھا اور وہ روحانی بابا کی اولاد میں سے تھے۔
- ۴- مطیع - قرآن بردار۔
- ۵- شیخ آدم حضرت کا صاحب کے پر داد تھے یعنی کا صاحب ابن بہادر بابا ابن مست بابا ابن سید غالب ابن سید آدم۔ سید آدم رحمۃ اللہ علیہ علاقہ خوست میں رہتے تھے۔ بعد از وفات ضلع کوٹاٹ کے کربو قہ نامی گاؤں میں ان کی تدفین ہوئی۔
- ۶- روشن خان نے حواشی تو اسخ حافظ رحمت خانی میں ایک شجرے کے حوالے سے (صفحہ ۸۲۸) اتون سالاک یا اتون چالاک کا نام اکبر شاہ لکھا ہے۔

- شاید نقاب صاحب نے ولیر شاہ کو مائی مرحوم کے پاس "معجبات" نام کی اس کتاب کا حوالہ دیا ہے اس میں غلطی سے پیر چالاک کو اتون چالاک سمجھ لیا گیا ہو اور پھر اکبر کو پیر سبک، پیر عمر اور منصور کا بھائی لکھا ہو۔
- ۷- موضع لکی پیر خیل میں "میر حسن بابا" کا مزار شہور و معروف ہے۔
 - ۸- شجرہ نسب میں اتون سالاک صاحب کا ام گرامی امان اللہ بن یعقوب بن سلیمان دہلوی کا بی درج ہے اور اتون سبک رحمۃ اللہ علیہ کا ام گرامی عبدالجبار درج ہے۔ (مکتوب میاں شاکر اللہ۔ گوجر گڑھی مورخہ ۱۹۷۶-۱۰-۷۰)
 - ۹- خوشحال خان خٹک ابن شہباز ابن یحییٰ ابن ملک اکو۔
 - ۱۰- شہزادہ سلیم نور الدین جہانگیر تخت نشینی سے دو سال قبل زمانہ شہزادگی میں غالباً مارچ ۱۶۰۳ء مطابق ۱۰۱۲ھ میں ہندوستان سے کابل جاتے ہوئے اس طرف سے گزرا۔ اس نے نوشہرہ میں قیام کیا۔ جاگیر دینے کا واقعہ اغلباً اسی سال واقع ہوا ہوگا۔
 - ۱۱- در طریق سہروردی بود او ہم مرید والد خود بود او
شاہ اسماعیل بود از سہرورد والد و اجداد شاہ آہنار سپرد
بود ایشان در طریق سہرورد تاجلال الدین سرخ آہنار بود
 - ۱۲- کا صاحب اپنی گفتگو میں اس صحبت بابرکت کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ شیخ جمیل بیگ جو کا صاحب کے مرید خاص تھے اور وجد و سماع کے قائل تھے۔ کا صاحب نے ایک دفعہ ان کے سامنے پیر سبک کے وجد میں آنے کا ذکر فرمایا تھا۔ یہی ایک خاص اشارہ تھا۔

۱- کتاب "قصۃ المشائخ" میں لکھا ہے کہ شیخ آدم بنوری کے ۳۶۰ خلفاء (اسی صد و شصت) اکمل تھے جن میں مولانا محمد شریف شاہ آبادی - مولانا ابو النجہ، مولانا شیخ فرید کبر لہوری - مولانا حاجی عبداللہ کوٹلی - ملا یار محمد پاپینے - مولانا یار محمد بہرہزی - مولانا یار محمد گل بہاری - مولانا حافظ محمد مراد پشاوری المعروف شیخ حبیب شاہ - حاجی دریا خان چکھنی اور شیخ الشیوخ حضرت شیخ سعدی لاہوری شامل تھے۔

۱۴- "قصۃ المشائخ" میں مولانا سید عبدالشکور کو شیخ سعدی لاہوری کا خلیفہ اور حضرت سرالاعظم شیخ یحییٰ کاسیر بھائی لکھا ہے۔ اسی کتاب میں حضرت سرالاعظم کے خلفاء کے جو نام درج ہیں ان میں مولانا محمد عمر پشاوری، مولانا سید جنید پشاوری - مولانا شیخ رحیم داد - مولانا حاجی سید نجم الدین، مولانا عبدالواحد - ملا مصری - مولانا عنایت کفش دوز اور سید السادات حافظ کلام ربانی محبوب بھانی حافظ محمد معصوم پیر سبکی شامل ہیں۔

۱۵- میرے خیال میں حضرت سیدنا مولانا سید الشیخ سیدی علی ترمذی المعروف نرشاہ نرسانا بونیر یا ابو المعروف پیر بابا کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ انھوں نے درویشوں کو چھینے کر کش نفس کو اتارنے پاتا مرید بنالیا تھا۔

۱۶- سلطان الغفران حضرت فقیر نور محمد سروری قادری کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف "عرفان" میں جنات کو مسخر کرنے کے باب میں لکھتے ہیں (صفحہ ۳۱) "طالب کامل کو اس راستے میں بے شمار فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں مثلاً بعض ملائیوں کو کشف جنونی حاصل ہو جاتا ہے اور جنت اسے آئندہ کے واقعات

اور غائب کی خبریں بتانے لگ جاتے ہیں بعض کو سلب امراض کی قوت حاصل ہو جاتی ہے... بعض عالموں کا جنات پر روزیہ مقرر ہو جاتا ہے اور جن عالم کے پاس نقدی وغیرہ لاتے ہیں جس سے عامل مستغنی ہو جاتا ہے... بعض عالموں کو آسیب زدہ لوگوں سے جن اتارنے کا ڈھنگ آ جاتا ہے... (واللہ اعلم) ۱۷- "تذکرہ" کی عبارت یوں ہے: "وَرَدَ وَاقِعَةٌ مَفْتَرَةٌ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مِنَ الرَّهْنِ بِاللَّغْنَةِ وَالْمِيلِ إِلَى الرَّقِصِ وَالذَّفِّ بِحَيْثُ اتَّصَلَ رِجَاهُ كَتَبَهُ صَلَاحٌ فَذَلِكَ انْتِزَاعٌ كُلَّهُ وَبِهَتَانِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ كُفْرٌ مِنْهُمْ...". حالانکہ رسول کے دف بستے کا واقعہ بخاری شریف اور شکارۃ شریف دونوں میں درج ہے جو احادیث کی مشہور کتابیں ہیں۔

۱۸- اصل نام "قصۃ المشائخ" ہے۔

۱۹- یہ کتاب اب میاں فردوس شاہ ساکن چشمی نے چھاپ دی ہے۔

۲۰- بلنٹر ایک نالے کا نام ہے جو آگے جا کر کلیانی میں جا ملتا ہے۔

۲۱- خوشحال خان خٹک، انھوں نے درویشوں کے ترجمہ قصیدہ بومیری کے بارے میں لکھتے ہیں

قصیدہ بومیری ترجمہ کبری
عربی نے ترپینتو مضحک راوری
صحر بیت د قصیدے چہ در مر جاتے
پہ پینتو کینے تراور بستولا ارزان دے

۲۲۔ سرفراز خان عقاب خٹک اپنی تصنیف ”پیر سیباک“ میں اخوند درویش صاحب کے اس مسئلے میں نظریہ کے بارے میں لکھتے ہیں ”اخذ صاحب کی تصنیفات میں باوجود ان کے وسیع المطالعہ ہونے کے بہت سی باتیں قابلِ گرفت ہیں مثلاً اسحق کی تخفیمیں کے بغیر یہ لکھنا، اگر کسی مرد نے اپنی لڑکی کا رواج بلا اختیار گوانا کر لیا اور کہا کہ خدا اور رسول اور فرشتے گواہ ہیں تو وہ کافر ہو گیا۔

۲۳۔ خواجہ بزرگ سے مراد شیخ آدم بخاری ہیں۔

۲۴۔ شاہ معصوم پیر محمد عمر کے بھتیجے تھے لیکن عمر میں ان سے بڑے تھے۔

۲۵۔ ”مناقب زین الدین“ از خواجہ بزرگ میں لکھا ہے کہ شاہ محمد معصوم کے عہد میں افغانان لدا اور چوروں کا قصد بہت مشہور تھا۔ اس کے بعد کتاب ”قصۃ المشائخ“ کے لکھے کی تائید ہوتی ہے۔

۲۶۔ مولانا حاجی محراب شاہ لکھتے ہیں ”شجرہ طریقت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سید شاہ معصوم شاہ جہان آباد سے پشاور تشریف لائے تھے اور یہیں قیام پذیر ہوئے نیز عام لوگوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سید شاہ معصوم شہید بھی ہیں اور غازی بھی آپ جہاد کرتے کرتے اس مقام پر پہنچے تو آپ کے ساتھ آپ کا سر مبارک نہیں تھا آپ بے جسم کے ساتھ تھے کسی مسلمان نے آپ کو دیکھ لیا اور آپ ہیں گر کر شہید ہو گئے اس لئے اس محلہ کا نام بھی محلہ سید شاہ معصوم پڑ گیا۔ اب اثر صاحب لکھتے ہیں ”شاہ جہان آباد وہی مقام ہے جو پیر سیباک کے مغرب میں واقع اور اور آج کل تو شہر کلاں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔“

۲۷۔ محمد شرف۔ محمد اشرف۔

۲۸۔ پیر نبر علی شاہ کے ایک ناموں فضل دین صاحب تھے۔ بیعت ان ہی سے لی ہوگی جو پیر نبر علی شاہ صاحب کے بھی پیر طریقت تھے۔

۲۹۔ موضع اکوڑہ نٹنگ میں میر شرف کی اولاد کا حصہ کافی عرصہ تک موجود رہا۔ جب بڑے بازار کی دکانیں تہی شروع ہوئیں تو میر شرف کے پوتے صاحب شاہ نے یہ زمین بزمین تعمیر دکانات مختلف لوگوں کو دے دی۔ (راوی نعیم شاہ)

۳۰۔ معلوم ہوتا ہے کہ میر شرف کی والدہ شہباز خٹک کی رشتہ دار تھیں۔

۳۱۔ یہ کتاب یوسف زئی قوم کی تاریخی نقل و حرکت اور دیگر قبائل کے ساتھ جنگ و جدل کی داستان ہے۔ پیر معظم شاہ کے اس کام کو رادوثی، برنارڈ ورن، الفنسٹن اور بلیو جیسے مستشرقین نے بھی سراہا ہے۔

۳۲۔ پیر مظفر شاہ کی ایک بیٹی بی بی فاطمہ المعروف ”کائے نیا“ بھی حید عالمہ دین تھیں۔ اپنے عظیم المرتبت والد کی دفات کے بعد شرعی مسائل کے قضیوں کا فیصلہ دہی کرتی تھیں۔

۳۳۔ حال ہی میں کتاب ”قصۃ المشائخ“ کا ایک قدیم ترین نسخہ میرے ہاتھ لگا ہے۔ اس میں بھی شجرہ اودج شریف کے بزرگوں کے واسطے سے امام موسیٰ کاظم سے ملتا ہے۔

۳۴۔ اس کتاب کی کتابت تقریباً مکمل ہو چکی تھی کہ سرگودھا کے حافظ غلام فرید صاحب کی تصنیف ”احوال العارفین“ زیر نظر ہوئی۔ اس کتاب میں حاجی عبدالشکور پیر سیباک اور ان کے صاحبزادگان حضرت شاہ محمد معصوم شاہ جہان آبادی پشاوری قدس سرہ اور حضرت شیخ سید میر بخشاگر کے بارے میں جو مفصل

معلومات درج ہیں وہ راقم الحروف کی تحقیق کی تصدیق کرتے ہیں۔

یہاں زائرانہ حال کے دو پیریا کی بزرگوں کا ذکر کرنا بھی مناسب ہے جو
سید اکبر شاہ کے ناموں سے گندے ہیں۔ ایک ساکن شیدو کے جو قلندر یہ سلسلہ
کے بزرگ تھے۔ ان کے مزار مبارک پر ہر سال پھولوں کی ایک چادر چڑھائی
جاتی ہے۔ یہ ڈالی کراچی سے ان کے عقیدت مند ساتھ لاتے ہیں۔

دوم موضع پیریاک کے مولانا سید اکبر شاہ ابن معصوم شاہ ابن حیدر شاہ
تھے جو مدرسہ ایشیہ دہلی کے مولانا کفایت اللہ صاحب کے تلامذہ میں سے
تھے اور مولانا نصیر الدین غورغشتی رح کے دست مبارک پر بیعت فرمائی تھی۔

ملنے کا پتہ

۱۔ سید مشتاق حسین شاہ الفیصل شریٹ بارہ گیٹ پشاور

۲۔ سعیدہ کتب خانہ قصہ خوانی بازار پشاور۔

مصنف

ڈاکٹر چراغ حسین شاہ، سول ہسپتال لکی مروت